بسنت کیا ہے؟

مستند تاریخی شہادتوں اور ہندو مصنفین کی تحریرات کے عکس کے ساتھ

کتاب گھر
ناظم آباد کراچی

نام کتاب: .... بسنت کیا ہے؟

ترتیب: .... مولانا احمد حسن

تاریخ طبع: .... ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ

ناشر: .... کتاب گھر ناظم آباد نمبر ۴ کراچی ۷۵۶۰۰

ملنے کے پتے

۱- ملک بھر میں ضرب مومن کے تمام دفاتر

۲- دارالاشاعت اُردو بازار کراچی

۳- ادارۂ اسلامیات انارکلی لاہور

۴- ادارۃ المعارف دارالعلوم کراچی

۵- مظہری کتب خانہ گلشن اقبال کراچی

۶- اقبال بکڈ پو صدر کراچی

بسنت کیا ہے؟

مجموعہ مضامین

☆ مفتی ابولبابہ شاہ منصورؔ

☆ مولانا قاری منصور احمد

☆ مولانا محمد اسلم شیخوپوری

☆ یاسر محمد خان

☆ ملا معاویہ حنفیؔ

☆ مولانا مجاہد الحسینیؔ

کتاب گھر نے تبلیغی مقاصد کے لئے شائع کی

انتساب

نوجوان نسل کے حقیقی نمائندے

غازی علم دین شہید رحمہ اللہ

کے نام

جس نے رسم وفا عجب انداز میں

نبھا کر ہماری لاج رکھ لی

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

مفتی ابولبابہ شاہ منصور

مولانا مجاہد الحسینی

یاسر محمد خان

پہلی بات

''ضرب مؤمن'' نے جن مختلف میدانوں میں مسلم امّہ کی خدمت انجام دی ہے، ان میں سے ایک معاشرے میں پھیلی ہوئی واہیات قسم کی رسوم کی اصلاح بھی ہے۔ قانونِ قدرت ہے کہ خرابی جس پیمانے پر پھیلتی ہے اس کے ازالے کے لیے اللہ تعالیٰ اسی حساب سے توفیق عنایت فرما کر کسی خوش نصیب کو کھڑا کر دیتے ہیں۔ ''ضرب مؤمن'' قدرت کے اس تکوینی قانون کی بہترین مثال ہے۔ گزشتہ چند سال میں مغربی اور بھارتی ثقافت کی ہمارے معاشرے پر یلغار کے نتیجے میں جو فضول اور نامعقول قسم کی رسوم ہماری ثقافت میں در آئیں، ان کی شدت اور وسعت نے سنجیدہ طبقے کو ہلا کر رکھ دیا۔ ہولی، دیوالی تک تو خیر تھی کہ یہ کافی حد تک محدود تھیں لیکن ''نیو ایئر نائٹ'' اور خصوصاً ''بسنت'' نے جو غضب ڈھایا (اور اب تو ''ویلنٹائن ڈے'' نے بھی زہریلی بوٹیوں کے اس کھیت میں سے سر نکال لیا ہے) وہ بہر حال افسوسناک ہے اور ایسی ملت کو قطعی زیب نہیں دیتا جو اقوامِ عالم کی خیر خواہی اور رہنمائی کے لئے مبعوث کی گئی ہو۔ اس صورت حال میں داعیانِ دین کو اسی درجے کی محنت کی ضرورت ہے جس حساب سے ''جاہلیتِ جدیدہ'' کی بدنمائندہ رسوم پھیل رہی ہیں۔

گزشتہ سال بندہ نے جب بسنت کے متعلق لکھا کہ ہندوستان کا بسنت منانے میں تو ہولی دیوالی کی طرح ایک گناہ ہے لیکن لاہور کا بسنت دو خطرناک گناہوں کا مجموعہ ہے۔ ہندوانہ رسم میں شمولیت اور ایک گستاخ رسول کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے تکیے کی آڑ میں منائے گئے میلے اور جشن میں شمولیت، تو فیصل آباد سے ایک نوجوان نے خط لکھا

کہ اگر آپ اس کا ثبوت پیش کر دیں تو میں اور میرے دوست اس رسم کو ضرور چھوڑ دیں گے۔ بندہ ان ثبوتوں کو جمع کرتے کرتے تاریخی کتب سے ہوتا ہوا ہندو مصنفین کی تحریرات تک جا پہنچا۔ ان تمام حوالوں کے عکس جب اخبار میں دیے گئے تو قارئین کے وسیع حلقے نے اسے ایک اچھی اور مفید کاوش قرار دیا اور خواہش ظاہر کی کہ اگلے سال بسنت کا ہنگامہ شروع ہونے سے پہلے پہلے یہ تمام مضامین حوالہ جات کے عکس کے ساتھ شائع ہو جائیں تو بہت سے لوگوں کو بسنت کی وہ حقیقت سمجھ آ سکتی جو پتنگ جیسی خرافات میں کھو کر رہ گئی ہے۔

زیر نظر مجموعہ اس مشورے کی پذیرائی کا نتیجہ ہے۔ اس میں وہ تمام حوالہ جات اور تصاویر دی گئی ہیں جو ضرب مؤمن میں دی گئی تھیں۔ ان میں سے بعض حوالے ایسے تھے جن کے حصول کے لیے قارئین سے تعاون کی درخواست کے علاوہ کراچی اور لاہور کے بعد دہلی کے کتب خانے چھاننے پڑے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آخر کار گوہر مقصود ہاتھ آ ہی گیا۔ اس مجموعے میں میرے ان محترم بھائی اور قابل توقیر بزرگوں کی وقیع نگارشات بھی شامل ہیں جو ''ضرب مؤمن'' میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہیں عرق ریزی اور دل سوزی کے ساتھ لکھی گئی ان حضرات کی یہ گرانقدر تحریریں اس موضوع کے مختلف پہلوؤں کو تحقیقی انداز میں اجاگر کرتی ہیں۔ ان کی ترتیب اور اشاعت کے لیے جناب مولانا احمد حسن صاحب اور جناب قاری عبدالرحمٰن صاحب نے دلی شوق اور لگن کے ساتھ محنت کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

امید ہے کہ اس مجموعے سے اس موضوع پر کام کرنے والوں کو رہنمائی ملے گی اور ہمارے ہم وطنوں خصوصاً لاہوری بھائیوں کو وہ روک مہیا ہو سکے گی جو انہیں ایسی رسم کو چھوڑنے پر آمادہ کر سکے گی جو ان سے چھڑائے نہیں چھوٹ رہی۔ یہاں شاید یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ یہ کوئی باقاعدہ کتاب نہیں جس میں متعلقہ مباحث کو ترتیب سے بیان کیا گیا

ہو۔ یہ تو مختلف مواقع میں لکھے گئے متفرق مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس کی اصل افادیت اردو، سندھی اور انگریزی کتب کے ان صفحات کے عکس میں ہے جو اس کے آخر میں موجود ہیں اور ناقابل تردید شہادتوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آخر میں یہ کہنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں کہ بندہ نے اس مجموعہ کو غازی علم دین شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام نامی سے منسوب کر کے اس کتاب کی قدر و وقعت بڑھانے اور لہوری (لاہوری) بھائیوں کو وہ پیغام دینے کی کوشش کی ہے جس پر وہ ذرا دیر کے لیے توجہ دیں تو چند لمحوں کے لیے ضرور ٹھٹک کر رہ جائیں گے اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ توبہ ایسے ہی چند لمحوں کی مرہون منت ہوتی ہے۔

والسلام

ابولبابہ

۲۴ر ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ

۱۷ر جنوری ۲۰۰۳ء

بعد نماز مغرب



قال النبی ﷺ

مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ

(رواہ احمد و ابوداؤد)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے۔"

(مسند احمد، ابوداؤد)





دیوانوں کی دنیا

مفتی ابولبابہ شاہ منصور

حدود کے پار:

عین ان دنوں جبکہ ارض حرم کی استطاعت رکھنے والے خوش نصیب مسلمان دنیا کی آلائشوں سے دامن بچا کر اپنے روٹھے ہوئے مالک ومولیٰ کو منانے اور اس کے غضب سے پناہ مانگنے میں لگے ہوئے ہیں، ہمارے ملک میں بدقسمتی سے بسنت کا جشن منانے اور رنگ جمانے کی ہوا چلی ہوئی ہے۔ دینی مدارس کی "اصلاح" کے لیے اربوں روپے بیرونِ ملک سے مانگنے والے ملک میں شب بھر میں نوٹوں کی گڈیوں کی گڈیاں پتنگیں اور گڈیاں چڑھانے پر اور پھر انہیں کاٹنے کی خوشی منانے پر پھونک دیے گئے ہیں۔ رقص کی محفلیں سجا کر موسیقی کی تانیں اڑائی گئی ہیں۔ سرکاری سرپرستی میں خصوصی تقریبات منعقد کی گئی ہیں جن میں غیر ملکی مہمانوں کی سہولت کے لیے انہیں ڈور، گڈیاں، پتنگیں، کھانے و دیگر لوازمات مفت فراہم کیے گئے ہیں۔ اس موقع پر نوجوانوں کی ٹولیاں جو اخلاق سوز حرکات کرتی ہیں اس باکمال کارکردگی کو قوم تک پہنچانے کے لیے ٹی وی نے سنسر میں چھوٹ کا دل کھول کر استعمال کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ پاکستان کو ہندوانہ زردی میں ایسا چوکھا رنگ لگایا جائے کہ کوئی شہر لاہور سے پیچھے نہ رہے تاکہ جب "لاہوریے" حدوں کو پار کر جانے کے بعد کسی قدرتی گرفت میں آئیں تو ان کے لیے بارگاہِ الٰہی میں عفو و کرم کی التجا کرنے والا بھی کوئی نہ رہے۔

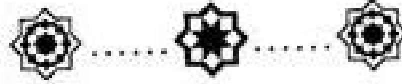
اے غازی کے وارثو!:

اس میں تو کسی کو کلام نہیں کہ ''بسنت'' نامی ہندوانہ تہوار میں جو پتنگ بازی طوفانِ بدتمیزی کی شکل اختیار کرتی جارہی ہے، لاہور کے ایک گستاخ رسول بت پرست کی اختراع کردہ ایک منحوس رسم تھی۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ وہ شہر جو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ جیسے اسلام کے نامور سپوتوں اور شمع رسالت کے جانثار پروانوں کی آخری آرام گاہ ہے، اسی شہر کے باسی آج ایسی رسم کو اپنی پہچان بنا چکے ہیں جو ایک کھتری لونڈے کی توہین رسالت کی ناپاک جسارت اور پھر اس کی عبرتناک موت کی یاد میں ایک متعصب ہندو سیٹھ نے شروع کروائی تھی۔ تاریخی حقائق کے مطابق ۱۷۰۷ء سے ۱۷۵۹ء کے دوران پنجاب کے گورنر زکریا خان کے دور میں سیالکوٹ کے ایک ہندو کھتری باغ مل کے بیٹے حقیقت رائے نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شانِ اقدس میں نازیبا الفاظ کہے۔ اس جرم کی تحقیق ہوئی اور جرم ثابت ہوگیا۔ چنانچہ سزا کے طور پر اس گستاخ رسول کو پہلے کوڑے لگائے گئے اور بعد میں ایک ستون سے باندھ کر گردن اُڑا دی گئی۔ یہ ۱۷۳۴ء کا واقعہ ہے۔ تاریخی کتب میں ذکر ہے کہ جس دن حقیقت رائے کو سزائے موت دی گئی وہ ''بسنت پنچمی'' کا دن تھا۔ اس گستاخ رسول کی یاد میں ہندوؤں نے لاہور کے علاقے کوٹ خواجہ سعید میں ایک سمادھی تعمیر کی۔ مؤرخین کے مطابق ایک ہندو رئیس کالورام نے اس جگہ حقیقت رائے کی یاد میں مندر تعمیر کرایا۔ باقاعدہ بسنت میلے کا آغاز کیا اور پتنگ بازی کو رواج دیا۔ ایک سکھ مؤرخ نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے اور لکھا ہے کہ یہاں کالورام نے حقیقت رائے کی یاد میں بسنت میلے کا آغاز کیا تھا۔ دیکھیے: ''پنجاب آخری مغل دورِ حکومت میں'' از ڈاکٹر بی ایس نجار: ص ۲۷۹۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل مآخذ میں کچھ سے پتا چلتا ہے کہ یہ میلہ ہندوانہ ہے اور ان میں کچھ سے معلوم ہوتا ہے کہ پتنگ بازی تو ایسی شرمناک حرکت ہے جو ایک گستاخ رسول کی یاد میں شروع کی گئی تھی:

تاریخ لاہور از عبداللطیف: ص ۲۶۰، نیز البیرونی کی تاریخ الہند اور فرہنگ آصفیہ میں مادہ بسنت۔

اس وقت سے پہلے:

خطرہ جس بات سے ہے وہ محض یہ نہیں کہ منچلے لاہوری اس رات بے حد اسراف کرتے ہیں، قیمتی جانیں اور املاک ضائع ہوتی ہیں، ہندوؤں کو ہماری تضحیک کا موقع ملتا ہے، غازی علم الدین شہید کی روح اپنی جنت نما قبر میں تڑپتی ہے، بلکہ اندیشہ اس چیز کا ہے کہ جس طرح لاہوری بھائی ہنسی ہنسی میں اس موج میلہ کو اپنی پہچان بناتے جارہے ہیں اور سال بسال اس میں رنگ اور ترنگ آتا جارہا ہے اور نصیحت کرنے والوں کی خیر خواہانہ فہمائشیں صدا بصحرا ثابت ہورہی ہیں، رفتہ رفتہ بعینہ وہ کیفیت بنتی جارہی ہے جس کا شکار نفس و شیطان کی ماننے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات سے منہ موڑنے والی اقوام ہوجایا کرتی تھیں اور لذت کوشی کا یہ خمار ان کے سر سے اس وقت تک نہ اترتا تھا جب تک سیاہ بختی ناگہانی آفت کا پیغام لے کر ان کے سر پہ آ پہنچتی۔ اس مرتبہ سرکاری سرپرستی میں جس اہتمام سے اسے قومی سے بڑھ کر بین الاقوامی تقریب بنائے جانے کی خبریں آئی ہیں اور سنسر میں نرمی اور آزادی کی انتہا کردی گئی ہے، اس کے بعد علماء کرام اور خیر خواہانِ قوم پر فرض ہوگیا ہے کہ وہ مل جل کر دل سوزی کے ساتھ اس صورتِ حال کا تدارک اس وقت سے پہلے کرنے کی مربوط اور مضبوط کوششیں شروع کردیں جب تفریح گاہیں غم کدے بن جاتی ہیں، ہنسی اور قہقہے چیخ وپکار میں بدل جاتے ہیں اور واپسی کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔



ایک خط اور اس کا جواب

محترم مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب!

السلام علیکم

۲۲ تا ۲۸ فروری کے ضرب مؤمن میں آپ کا مضمون ''دیوانوں کی دنیا'' کے نام سے شامل اشاعت ہوا۔ مضمون کے مطالعہ سے قبل بھی مجھے ذاتی طور پر بسنت سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا، لیکن بہرحال میں اس تہوار کو اتنا بُرا نہ جانتا تھا۔ دوست احباب بسنت مناتے تو کبھی کبھار اُن کے شور وغل میں شریک ہو جاتا، لیکن جب آپ کے مضمون میں اس تہوار کے ابتدائی حالات وواقعات پڑھے جن کی بدولت پتنگ بازی کو فروغ ملا تو بسنت کے اس تہوار سے نفرت ہوگئی۔ دوستوں کو یہ باتیں بتائیں تو مجھے کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ وہ اس بات کو ماننے پر تیار نہیں کہ پتنگ بازی کا آغاز ایک گستاخ رسول کی یاد میں ہوا، لیکن بہرحال ان کی مہربانی یہ ہے کہ انہوں نے مجھ سے عہد کیا ہے کہ اگر میں اس بات کو ثابت کردوں تو وہ نہ صرف بسنت منانا چھوڑ دیں گے بلکہ اس کے خلاف زبردست تحریک بھی چلائیں گے۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے مضمون میں شائع شدہ مواد ناکافی ہے اور ویسے بھی نفس کو پسندیدہ کام کے حق میں انسانی ذہن کئی قسم کی تاویلیں پیش کرتا ہے۔ میری خواہش ہے کہ اگر میری وجہ سے کوئی راہ راست پر آئے تو میرے لیے یہ ایک اعزاز ہے اور شاید یہی اعزاز میری نجات کا ذریعہ بن جائے۔

محترم!

اس سلسلے میں مجھے آپ کی ضرورت درپیش ہے، امید ہے کہ آپ مایوس نہیں کریں گے۔ آپ نے اپنے مضمون میں جن تاریخی کتب کے صفحات کا حوالہ دیا ہے، اگر آپ مجھے

ان متعلقہ صفحات کی نقل فراہم کر سکیں تو شاید مجھے مقصد میں کامیابی نصیب ہو۔ ساتھ ساتھ اُن کتب کے سرورق کی نقول بھی ممکن ہوں تو فراہم کر دیں، یا پھر اس کے علاوہ کوئی مستند حوالہ موجود ہو تو براہ کرم ارسال کریں۔ اس کے لیے راقم آپ کا شکر گزار ہوگا۔ امید ہے کہ آپ مایوس نہیں کریں گے۔ (ج۔ا۔خ)

محترمی جناب..........!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے ساتھیوں کے ذہن میں جو سوال پیدا ہوا یہ پچھلے دنوں ہمارے ملک کے بہت سے حلقوں میں اٹھتا رہا ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے ہاں کے بعض قومی سطح کے رہنماؤں حتیٰ کہ بعض نامور صحافی اور دانش وروں نے جو تحقیق اور جستجو کے حوالے سے خاصی شہرت رکھتے ہیں، تاریخی مآخذ سے مراجعت کی زحمت فرمائے بغیر اسے مولویوں کا پروپیگنڈا کہا۔ ان کے مطابق یہ دقیانوسی مولوی لوگوں سے ہنسنے کا بہانہ بھی چھیننا چاہتے ہیں۔ تمام مسلمانوں سے خصوصاً لاہوری بھائیوں سے درخواست ہے کہ [1] منسلکہ حوالے بچشم خود ملاحظہ فرمائیں اور فیصلہ کریں کہ جاہل مولوی انہیں تفریح سے روکنا چاہتے ہیں یا ایک گستاخ رسول کی نقالی سے روک کر عذاب الٰہی اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محرومی سے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پہلے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ بسنت ہندوؤں کا صدیوں قدیم تہوار ہے۔ عظیم جغرافیہ دان اور سیاح البیرونی نے ۱۰۲۰ء میں ہندوستان کا سفر کیا ہندو اس وقت بھی یہ تہوار مناتے تھے جسے آج کل ہمارے محققین جشن بہاراں قرار دے رہے ہیں۔ دوسرے سے اس کا پورا پس منظر سامنے آتا ہے اور تیسرے سے اس راز سے پردہ اٹھتا ہے کہ سارے برصغیر میں صرف لاہور ہی میں اس رسم کا طوفانی زور کیوں ہے؟ یہ تحریر ہندو مصنف کے قلم سے نکلی ہے اور اس کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غازی علم دین شہید جیسے عاشق رسول کو جنم دینے والے شہر کے باسی آج جناب

[1] یہ سب حوالہ جات کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور جگر گوشۂ رسول حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کرنے والے ناپاک کھتری لونڈے کی یاد میں آسمان کو رنگ برنگا کر کے خود کو شفاعت نبوی سے کس بری طرح سے محروم کر رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فہم سلیم عطا فرمائے اور ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین

نت نئے تہوار، معاشرے کے خطرناک ناسور:

ایک اور خطرناک رجحان یہ چل پڑا ہے کہ مغرب سے درآمدہ بے ہنگم، مضحکہ خیز اور ہماری مذہبی روایات سے متضاد قسم کے تہوار اور دن منائے جانے لگے ہیں۔ **پہلے یہ سلسلہ** اپریل فول تک محدود تھا، پھر نیو ایئر نائٹ (نئے سال کا جشن) **اور کرسمس کی تقریبات** کی جھنجھناہٹ اس طرح سنائی دینے لگی جیسے گندگی پر بیٹھنے والی **مکھیوں کی ناگوار آواز** ہوتی ہے۔ اب کی مرتبہ ویلنٹائن ڈے (علامتی یوم محبت) جیسی حیاسوز **رسم کی شروعات** ہوگئی ہیں اور مشرق کے باسی جس طرح مغرب کی غلاظتوں میں لتھڑنے کے عادی ہوتے جارہے ہیں، اسے دیکھ کر لگتا ہے کہ اگلے چند برسوں میں یہود و ہنود کی نقالی اتنی عام ہو جائے گی کہ قدرت کی طرف سے کسی بڑے عذاب کے بغیر نہ چھوٹ سکے گی۔ عوام الناس دین داری کی ترغیب دینے والی آوازوں سے اتنی بے توجہی برت رہے ہیں اور بے دینی کی طرف اتنی شدت اور کثرت سے ان کا میلان ہو رہا ہے کہ معاملہ اب داعیانِ دین اور مبلغین و واعظین کے بس میں نہیں رہا اور ایسے وقت پھر انتظار کرنا چاہیے کسی ایسی غیبی آفت کا جو مستیوں کی لذت میں گم ہو جانے والے اور شہوت پرستی میں مدہوش لوگوں کو کان سے پکڑ کر سیدھا کر دے۔ دراصل دنیا اس وقت سچی روحانیت سے محروم ہے اور وسائل کی کثرت اور من پسند زندگی گذارنے کے باوجود انسان کی روح کو سکون نہیں مل رہا ہے، اس وجہ سے لوگ سکون کی تلاش میں ان میلوں تماشوں کا سہارا لیتے ہیں لیکن دل کا سکون اور روح کی تشفی تو رجوع الی اللہ اور تعلق مع اللہ سے حاصل ہوتی ہے، اس لہو و لعب سے حاصل ہونے والی عارضی خوشی اور

جھوٹی مسرت سے تسکین پانے کی کوشش کرنا خود کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے اور خود کو دھوکہ دینے والے جلد ہی ہر چیز سے حتیٰ کہ اپنے آپ سے بھی اکتا جاتے ہیں، اس وقت جو بے چینی اور بے کلی انسان پر مسلط ہوتی ہے اس کا مداوا پھر کسی کے پاس نہیں ہوتا۔

چتا کی بساند:

بسنت کے تہوار کو لے لیجیے تاریخ کے صفحات کھنگالیے تو آپ کو علم ہوگا کہ یہ آمد بہار کا جشن نہیں، ایک غلیظ ہندو کی چتا سے اٹھنے والی تعفن کی بساند ہے۔ بہار تو اور بھی شہروں میں آتی ہے اور پاکستان میں ہی ایسے مقامات ہیں جہاں رت بدلنے سے نشاط آور مناظر کی کثرت، اللہ کی قدرت کی یاد اور اس کی صناعی کے اعتراف کا جذبہ پیدا کرتی ہے، اس معاملے میں لاہور ملک کے شمالی علاقہ جات کا مقابلہ نہیں کرسکتا پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ لاہور میں ہی اس کا اتنا زور ہے کہ اس سال پاکستان کی تاریخ کی سب سے بڑی تقریب لاہور میں منائی گئی ہے اور لوگوں کو خود فراموشی کی کیفیت میں مبتلا رکھنے کے خواہشمند اربابِ اقتدار نے اسے سرکاری سرپرستی کے اعزاز سے نوازا ہے؟

بدنما سیاہ مہر:

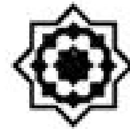
''لہوریے'' شوقین مزاج اور میلے ٹھیلے کے دل دادہ تو ہوتے ہی ہیں، ہندوؤں کی دیکھا دیکھی انہوں نے بھی اس زردی میں ہاتھ رنگنا شروع کر دیے۔ تقسیم ہند کے بعد سے رفتہ رفتہ اس رسم کے اصل پس منظر پر گرد بیٹھتی چلی گئی۔ اس کو ایجاد کرنے والے تو بھارت سدھار گئے لیکن ''زندہ دلانِ لاہور'' کو ایک ایسا مشغلہ ہاتھ آ گیا جس میں انہوں نے طرح طرح کے اضافے کر کے اسے اپنی پہچان بنالیا ہے۔ بسنتی لباس، بسنتی پکوان اور بسنتی میلے سے ہوتے ہوئے بات اب بین الاقوامی سطح کی تقریبات پر پہنچ گئی ہے۔ اس مرتبہ کی ہنگامہ خیزیاں دیکھ کر لگتا ہے کہ یہ تقریبات رسم نہیں خبط اور جنون بن گئی ہیں اور ہمارے لاہوری

بھائیوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ لذت کوشی جب وقتی لغزش سے بڑھ کر جنون کی حد کو پہنچ جائے اور جب لہو ولعب چند افراد کی نادانی سے بڑھ کر پوری قوم کی شناخت بن جائے اور اس سے منع کرنے والوں کی نصیحت پر کان نہ دھرا جا رہا ہو تو تکوینی قانون کے تحت قدرت کے غیبی ہاتھ حرکت میں آتے ہیں اور جشن برپا کرنے والوں سے تعزیت کے دو بول کہنے والا بھی کوئی نہیں رہتا۔ زندہ دلی اسی قدر ہونی چاہیے جتنی کی شریعت اجازت دے اور جو فطرت کے قوانین سے متصادم نہ ہو، ورنہ وہ زندہ دلی نہیں، مردہ ضمیری ہے جو زندہ درگوری کا سبب بن جایا کرتی ہے۔

بعض لوگ اسے خوشی کا بہانہ اور موسم بہار کا استقبال جیسے پرفریب نام دے کر سندِ جواز عطا کرنا چاہتے ہیں مگر متعصب اور مسلم دشمن ہندو لیڈر بال ٹھاکرے کے طنزیہ بیان نے جہاں لاہوریوں کی غیرت کو للکارا ہے، وہیں ایسے نام نہاد دانش وروں کی باطل نوازی اور حقیقت کشی پر بدنما سیاہ مہر لگا دی ہے۔

پاکستان میں بسنت کا انعقاد ہندو مذہب کی کامیابی ہے

مرنے والے ہمارے شہید ہیں، مسلمان ہندو ثقافت اپنا لیتے تو لاکھوں زندگیاں بچ جاتیں۔ بال ٹھاکرے (ضرب مؤمن جلد ۵، شمارہ ۹)



اس لمحے کی تلاش

یہ پچھلے سال کی بات ہے، بندہ کو پنجاب کے کسی شہر سے ایک نوجوان کا خط موصول ہوا جس کا حوالہ سابقہ مضمون میں دیا گیا ہے۔ اس میں کہا گیا تھا کہ اگر ممکن ہو تو بسنت کے تہوار کا ہندو دھرم اور تہذیب سے تعلق تاریخی حوالوں سے بیان کیا جائے۔ بندہ کے مضمون میں ایک سے زیادہ تاریخی حوالے موجود تھے لیکن اس نوجوان کی اپنے دوستوں کے ساتھ حجت ٹھہر گئی تھی کہ اگر وہ مستند ثبوت پیش کردے تو وہ ”مولویوں“ کی بات مان لیں گے ورنہ نہیں۔ بندہ کو خود بھی اندازہ تھا کہ دعوتِ انبیاء علیہم السلام کے اصول اور علمِ بلاغت کے قواعد کے تحت جو بُرائی معاشرے میں جس قدر راسخ ہو اس سے بچنے اور اسے چھوڑ دینے کی ترغیب اتنی ہی مؤثر اور بھرپور انداز میں دینی ہوگی ورنہ یہ انسانی نفسیات کے تقاضوں اور دعوتِ دین کے مسلمہ اصولوں سے انحراف ہوگا اور ہمارے لاہوری بھائی اور ان کی دیکھا دیکھی دوسرے شہروں کے باسی جس طرح بے خود ہوئے جا رہے ہیں ان سے ہمدردی اور خیر خواہی کا حق ادا نہ ہو سکے گا لہٰذا اس نوجوان کو تمام دستیاب حوالہ جات کا عکس روانہ کر دیا گیا اور چونکہ اس وقت تک بسنت اپنی زردی پیچھے چھوڑ کر گزر چکا تھا اس واسطے اخبار میں ایک دو حوالے شائع کرنے پر اکتفا کیا گیا۔ اس وقت دل میں یہ مصمم ارادہ تھا کہ آیندہ سال ”بسنت فوبیا“ کے زور پکڑنے سے پہلے برادرانِ اسلام کو اس گناہِ عظیم کی حقیقت .... جو کئی کبیرہ گناہوں کا مجموعہ ہونے کے ساتھ غیرتِ دینی اور حُبِ نبوی کے بھی منافی ہے .... سمجھانے کی اپنی سی کوشش کی جائے گی۔

سال کے دوران اس موضوع سے متعلق مستند، ٹھوس اور ناقابلِ انکار حقائق کی تلاش جاری رہی جو کچھ میسر ہو سکا، مرحلہ وار صاحبِ دل قارئین کی نذر ہے۔ بسنت کا نام نہاد تہوار

اگرچہ بہت سے مفاسد، گناہوں، جانی و مالی نقصانات اور ناگفتنی باتوں پر مشتمل ہوتا ہے لیکن ہم اس سلسلہ وار مضمون میں اس کو ہندوانہ تہوار اور ایک گستاخ رسول کی یادگار ثابت کرنے پر توجہ مرکوز رکھیں گے تاکہ اسے کھیل تفریح سمجھنے والے ہمارے مسلمان بھائی جان سکیں کہ وہ کس قسم کا وبال اپنے سر لے رہے ہیں؟ بندہ نے برادرم یاسر محمد خان صاحب سے درخواست کی تھی کہ وہ اس موضوع کو وقت دیں اور اپنے مخصوص انداز میں اس حقیقت کو اہل اسلام کے سامنے آشکارا کریں۔ موصوف نے میری درخواست قبول کرتے ہوئے ''بسنت کی حقیقت'' کے عنوان سے ایک تحقیقی اور تفصیلی مضمون تحریر کیا جو بندہ کے سلسلہ وار مضامین کے بعد کتاب کی زینت بنا ہے۔ بندہ کو گزشتہ سال علم ہوا کہ بسنت پر بعض صاحب دل مسلمانوں نے ہزاروں کی تعداد میں کتابچے شائع کروا کر تقسیم کیے۔ اس مضمون میں ترتیب سے حوالہ جات کا عکس پیش کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ قارئین کے ہاتھ میں ایسا ثبوت ہو کہ وہ جس صاحب ایمان کو دکھائیں وہ ایک لمحے کے لیے چونکے ضرور..... ممکن ہے کہ یہ لمحہ قبولیت کا ہو اور اس کو توبہ کی توفیق ہو جائے۔

اس موضوع کے تین حصے کیے گئے ہیں، پہلا یہ کہ بسنت خالص ہندوانہ تہوار ہے اس کو ہندوؤں نے ایجاد کیا تھا اور یہ صدیوں سے ان کی ''عید'' اور مسرت و خوشی کا دن چلا آتا ہے۔ دوسرے یہ کہ لاہور میں بسنت کا میلہ ایک گستاخ رسول کے قتل کے بعد اس کی سمادھی پر اسے خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے اہتمام کیا گیا تھا۔ اس وقت مسلمانوں کی حکومت تھی چنانچہ ہندو کھل کر ایسا نہ کر سکتے تھے چنانچہ انہوں نے اس جگہ کو بسنت میلہ کا مرکزی مقام قرار دے کر اس میلے کی آڑ میں توہین رسالت کے مرتکب مجرم کو ہیرو کے طور پر یاد رکھنے کی کوشش کی اور ہمارے نادان بھائی ان کی دیکھا دیکھی اس ناروا عمل کا حصہ بن رہے ہیں۔ تیسرے حصے میں تاریخی حوالوں کی روشنی میں اس امر سے بحث کی جائے گی کہ مسلمانوں میں اس کا رواج کیسے ہوا؟ تو اس سلسلے میں کتاب کے آخر میں آپ دو عبارتوں کا

عکس ملاحظہ فرمائیں۔ پہلی عبارت مشہور سیاح، مؤرخ، ریاضی دان اور مصنف ابوریحان البیرونی کی ہے جو ان کے قلم سے آج سے ہزار سال پہلے نکلی (البیرونی نے ۱۰۱۹ء اور ۱۰۲۰ء میں ہندوستان کا سفر کیا تھا) اور دوسری ۸۰ء کی دہائی میں لاہور کے قومی عجائب گھر کے ڈائریکٹر کی لکھی گئی تحقیقی کتاب سے لی گئی ہے۔

اے زندہ دلانِ لاہور

مستند اور مایہ ناز مؤرخ وریاضی داں ابوریحان البیرونی ہندوانہ رسوم اور تہواروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس مہینے (یعنی بیساکھ) میں استواء ربیعی ہوتا ہے جس میں ہندو ''عید بسنت'' مناتے ہیں۔ یہ عبارت ان محقق مؤلف کے قلم سے ہندوستان اور یہاں کے باشندوں کے حالات پر عرق ریزی سے لکھی گئی کتاب سے ماخوذ تھی۔ البیرونی نے آج سے تقریباً ہزار برس پہلے ہندوستان کا سفر کیا تھا اور یہاں کے باشندگان کی تہذیب و تمدن، رسم و رواج، علوم وفنون اور مذہب وفلسفہ کے متعلق معلومات کو ہندوؤں کے مشہور پنڈتوں کی صحبت میں رہ کر حاصل کیا تھا۔ اس عہد کے برصغیر کے بارے میں آپ کی تحقیقات مؤرخین کے ہاں منفرد، ممتاز اور مستند درجہ رکھتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے فکر و نظر اور تدبر و تحقیق کی یہ راہ اختیار کی کہ جن مباحث کو اپنا موضوع نظر قرار دیا انہیں خود ان کے اصل ماخذ سے حاصل کرنے کی کوشش کی، اس غرض کے لیے متعلقہ زبان سیکھی اور اس موضوع کے علماء کی صحبت اختیار کی۔ اسی وجہ سے مولانا ابوالکلام آزاد نے ہندوستان کے بارے میں آپ کی تحقیقات کو ''بے داغ'' قرار دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ پوری زبان عربی کی علمی تاریخ میں البیرونی کا مقام ایسا منفرد ہے کہ وہ بجا طور پر الفارابی اور ابن رشد کی صف میں جگہ پانے کا مستحق ہے بلکہ اس اعتبار سے ان کا کام بلند تر ہے کہ آپ ہندوستان کی زبان ومعاشرت سے واقف اور یہاں کا سفر اور طویل قیام کر چکے تھے جبکہ اول الذکر دونوں حضرات اپنے اس بلند علمی کام کے باوصف جو انہوں نے یونانی علوم وفلسفہ کے حوالے سے کیا، یونانی زبان وتہذیب سے واقف نہ تھے، نہ ہی انہوں نے یونانی معاشرے کا براہ راست مطالعہ ومشاہدہ کیا تھا۔ بات لمبی ہو گئی کہنے کی غرض یہ تھی کہ البیرونی کی یہ شہادت مستند، بے غبار اور ناقابل تردید ہے کہ بسنت کا

تہوار ہندوؤں کا مخصوص تہوار ہے جو ہزاروں سال سے ان کی عید کے طور پر معروف چلا آرہا ہے اور اس دن ان کے ہاں طرح طرح کے کھانے پکا کر برہمنوں کو کھلاتے ہیں۔ اے ہمارے لاہوری بھائیو! ذرا غور کرنا بسنت کے پکوانوں سے دستر خوان سجا کر تم کس کے طریقے کو زندہ کرتے ہو؟ دوسرے حوالے پر تبصرے سے پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ ''استواء ربیعی'' جو البیرونی کی عبارت میں ''عید بسنت'' کے دن کی تعیین کے طور پر استعمال ہوا ہے، کسے کہتے ہیں؟ سورج سال میں دو مرتبہ خط استواء پر آتا ہے۔ ایک مرتبہ سردیوں کے اختتام اور بہار کے آغاز پر، اس کو ''استواء ربیعی'' کہتے ہیں۔ ربیع بمعنی بہار۔ دوسری مرتبہ گرمیوں کے اختتام اور خزاں کے آغاز پر، اسے استواء خریفی کہتے ہیں۔ خریف بمعنی خزاں۔ پہلا استواء ۲۱ مارچ کو اور دوسرا ۲۰ یا ۲۱ ستمبر کو ہوتا ہے۔

اب گزشتہ مضمون کے دوسرے حوالے کی طرف آیئے۔ عصر حاضر کا ایک تحقیق کار پنجاب کی رسموں کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے: ''رزمیے گانے والے پیشہ ور اداکار ہولی، بسنت اور دسہرہ جیسے تہواروں پر سوانگ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ بنیادی طور پر ایسے سوانگ کا مقصد کسی ہیرو کے واقعات کو پیش کر کے لوگوں میں مذہبی جذبات کو ابھارنا ہوتا ہے۔''

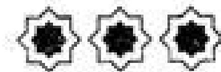
یہ ہیرو کون تھا؟ اور اس کا سوانگ بھرنے سے کون سے مذہبی جذبات کو ابھارنا مقصود تھا؟ یہ اسی کے بعد اگلے پیراگراف میں بتایا گیا ہے۔ اس کے پڑھنے سے اس سوال کا جواب واضح ہو جائے گا کہ اگر بسنت فی الواقع ہندوؤں کا مذہبی تہوار ہے تو جو علاقے ہندو مذہب کا گڑھ ہیں ان کی نسبت لاہور میں اس کا زور وشور اور دھوم کیوں ہے؟

نیز اس اقتباس کو پڑھ کر اپنی ایمانی غیرت سے پوچھیے کہ بسنت کے دن کوٹ خواجہ سعید میں گاڑے جانے والے ایک بے ادب منہ پھٹ ہندو لڑکے کی سمادھی پر جمع ہو کر ہندوؤں نے پنجاب کے لوگوں کو کیا سبق دینا چاہا تھا؟ اور ہم اس جاہلانہ اور احمقانہ رسم کو منا کر کس طرح مسخری کا سامان بنے ہوئے ہیں؟ مصنف لکھتا ہے:

''حقیقت رائے بھی سیالکوٹ کے باگ مل کا بیٹا تھا۔ جسے بسنت پنچمی کے دن صرف بارہ برس کی عمر میں مار ڈالا گیا۔ اس کی سمادھی لاہور میں بنائی گئی تھی اور تقسیم ملک کے وقت وہاں ہر سال بسنت پنچمی کے موقعے پر بڑا زبردست میلا لگتا تھا۔ ان تینوں سوانگوں کے ذریعے پنجاب کے لوگوں کو یہ سبق سکھایا جاتا ہے کہ پورن بھگت کی طرح حرص وہوا کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا چاہیے، گوپی چند کی طرح دنیا کے ناپائیدار عیش وآرام کو ٹھکرا دینا چاہیے اور حقیقت رائے کی طرح تعصب اور ناانصافی کے آگے ہتھیار ڈالنے کی بجائے جان دینا بہتر ہے۔''

(پنجاب تمدنی ومعاشرتی جائزہ، ڈاکٹر انجم رحمانی ص ۲۳۶، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور)

سمجھے اے زندہ دلان لاہور! اس میلے ٹھیلے کا مطلب؟ ایک گستاخ رسول ہندو کو توہین رسالت کے الزام میں قتل کیے جانے کو ''تعصب اور ناانصافی کے آگے ہتھیار ڈالنے کی بجائے جان دینے'' کا نام دے کر گائے کے پجاری ہمیں کیا سکھانا چاہ رہے تھے؟ اور ہم بغیر سوچے سمجھے ان کی کس ''نصیحت'' کو نبھا رہے ہیں؟ اگر ابھی آپ نہیں سمجھ پائے تو دو مزید حوالوں کا عکس ملاحظہ کیجیے۔ ان کے مطالعے سے اندازہ ہوگا کہ حقیقت رائے کون تھا؟ اس کو کس جرم میں قتل کیا گیا تھا؟ بسنت کے دن کا اس کی سمادھی پر کیے جانے والے میلے سے کیا تعلق تھا؟ اور لاہور میں ہر سال یہ زرد بخار کیوں آتا ہے اور اپنے ساتھ کیا کچھ سمیٹ کر اور پیچھے کیا کچھ چھوڑ کر جاتا ہے؟ پہلا حوالہ ایک ہندو مؤلف کا ہے جو گھر کے بھیدی کی شہادت ہے اور دوسرا انگریزوں کے دور میں لاہور پر لکھنے والے ایک مشہور مؤرخ کی شہرۂ آفاق تصنیف ''Lahore it's History Architectural remains & Antiquities'' کے اردو ترجمے سے لیا گیا ہے۔ ان دونوں کو اپنے طور سے پڑھیے، ہم فی الوقت اس پر مزید کوئی تبصرہ نہیں کرتے تاکہ بلا گلا کے شوقین ہمارے ''لہوریے'' بھائی خالی الذہن ہو کر خود سے کوئی فیصلہ کر سکیں۔



دیوی کا پجاری دیوتا

لاہور سے آمدہ خبروں کے مطابق ''کشتگان بسنت'' میں اضافے کا سلسلہ جاری ہے۔ زندہ دلان ہم وطن موج میلے میں مست ہو کر پہلے آپے سے باہر ہوتے ہیں پھر انسانیت واخلاق سے...... اور آخر کار زندہ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں جس کی محدود مہلت اور گنی چنی گھڑیاں انہیں موت کی سختی، قبر کی وحشت انگیز تنہائی اور حشر کی حواس گم کردینے والی پریشانی سے بچنے کی تیاری کے لیے دی گئی تھیں۔ خبریں گرم ہیں کہ بسنت کے عفریت نے اس سال بھی کئی کارآمد جوانیوں کی بھینٹ لی ہے، سینکڑوں کو چھت سے براہ راست زمین پر پٹخ کر ہاتھ پاؤں سے ناکارہ کردیا ہے، دشمن کے نرغے میں آئی ہوئی مسلم اُمہ کے نوجوانوں کو رات بھر جگائے رکھا ہے۔ اربوں بلین ڈالر کی مقروض قوم نے...... جس کے متعلق یہ سوالات اٹھائے جارہے ہیں کہ اس پر حج وقربانی فرض ہے یا نہیں؟...... لاکھوں کروڑوں روپے ڈوروں پر چڑھا کر پھونک دیے ہیں۔ مسلمان آبادیوں کے اوپر تنا آسمان جو کبھی ایمان کی روشنی سے منور اور ذکر وعبادت کے انوار سے سجا ہوتا تھا، اخلاقیات سے گرے ہوئے نعروں اور رنگ برنگے گڈے گڈیوں سے بھرا ہوا ہے۔ نوجوان لڑکے لڑکیوں کا آزادانہ اختلاط ہے، رنگین روشنیوں کا سیلاب اور شوروغوغا کا ایسا طوفان ہے جس میں مشرق کی روایات مغرب کے ریلے میں بہے چلی جارہی ہیں۔

غضب یہ ہے کہ ان اخلاق سوز حرکات کو زندہ دلی کا نام دے دیا گیا ہے۔ کاش! کوئی صاحب حال مغربی ثقافت کی یلغار کا شکار ہماری قوم کو بتائے کہ زندہ دلی کس چیز کا نام ہے؟ ہم لوگ نہ تو زندگی کا مطلب سمجھتے ہیں اور نہ قلب اور لطیفۂ قلب کی حقیقت۔ دل چونکہ

اعضاء باطنہ میں سے ہے اس لیے اس کی زندگی اور مردنی کے بارے میں کوئی صاحب باطن ہی کچھ کہہ سکتا ہے۔ جو لوگ تفریح میں حد سے گزرنے کے شائق تو خودنفس پرستی کی سیاہی سے آلودہ ہوتے ہیں ان کو کیا خبر کہ ''دل کی دنیا'' کے احوال و کیفیات اور واردات و مقامات کیا ہوتے ہیں۔ صاحب دلوں کے بادشاہ جناب رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے: ''جو شخص عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی رات کو زندہ کرے گا اس دن اس کا دل مردہ نہ ہوگا جس دن دل مردہ ہو جائیں گے۔'' (طبرانی، ابن ماجہ) دل کی زندگی یہ ہے کہ اسے خیر کی توفیق ملتی رہے اور اس میں شر سے اجتناب کا حوصلہ و ہمت رہے اور اس کی موت یہ ہے کہ ہمیشہ کی زندگی میں کام آنے والے اعمال میں دل نہ لگتا ہو اور جو کام قبر کی اندھیری کھائی اور میدان حشر کے وحشت ناک صحرا میں حسرت و ندامت کا باعث بنیں گے ان میں بے تحاشہ مشغول رہنے کے باوجود جی نہ بھرے۔ موج میلے کے شوقین دھوم دھڑکوں میں مست رہنے والے اور ہاہو سے تسکین پانے والے تو نفس کے غلام ہوتے ہیں، وہ کیا جانیں دل پر کن چیزوں سے مردنی چھاتی ہے اور کون سی چیزیں اسے حیات جاوداں بخشتی ہیں۔ بوریت سے پیچھا چھڑانے کے لیے ہلا گلا کے موقع تلاش کرنے والوں کو سوچنا چاہیے کہ اگر وہ تفریح کے لیے ان چیزوں کا انتخاب کریں گے جو گناہوں سے آلودہ ہوں تو پھر کسی مشکل گھڑی میں ان کا رفیق و غمگسار کون ہوگا اور وہ اس وحشتناک بوریت سے کیونکر پیچھا چھڑا سکیں گے جو قبر کی تنہائیوں میں ان پر مسلط ہوگی؟

کیا بسنت صرف ایک موسمی تہوار ہے؟

بعض مہربانانِ گرامی نے ''کمنٹس پاس'' کیے ہیں کہ ''بسنت ایک موسمی تہوار ہے، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔'' حیرت کی بات ہے کہ مسلمانوں کی زندگی میں ایسے لمحات بھی آنے شروع ہو گئے ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں؟ کیا اسلام منسوخ اور مسخ شدہ ادیان کی طرح کوئی جز وقتی مذہب ہے جو ہفتے کے مخصوص دن یا سال کے چند تہواروں کے

ساتھ مخصوص ہے؟ کیا ہم اب اس مرحلے کو پہنچ گئے ہیں کہ اپنے آفاقی مذہب کو جامع نظریۂ حیات سمجھنے سے بھی دستبردار ہو جائیں محض اس لیے کہ خوشیوں کو نچا کر رنگ جما سکیں؟ کیا اسلام نے اپنے ماننے والوں کو شاندار اور پُروقار تہوار نہیں دیے کہ اب ہمیں اڑوس پڑوس سے موسمی تہواروں کو مستعار لینے کی ضرورت پڑ گئی ہے؟

پھر اسے موسمی تہوار کہہ کر بات کو ٹالنے کی ادا بھی خوب ہے۔ بالفرض بغرض بحث تھوڑی دیر کے لیے تسلیم کر لیتے ہیں کہ یہ موسمی تہوار ہے لیکن یہ بات مان لینے سے معاملہ اور بھی خطرناک ہو جاتا ہے اس واسطے کہ پھر تو یہ بات پکی ہو جائے گی کہ یہ غیر مسلموں کا تہوار ہے کیونکہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو جو تہوار منانے کا حکم دیا ہے ان سب کا تعلق موسمی رت کی تبدیلی سے نہیں، کسی نیک اور بامقصد عمل سے ہے، حتی کہ اسلامی سال کی ابتدا بھی ہجرت کے پُرمشقت عمل پر رکھی گئی ہے نہ کہ ولادت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اہم اور مقدس واقعے پر۔ اسلام عملی مذہب ہے۔ اس نے ہر لمحے انسانیت کو کسی عمل خیر کی دعوت دی ہے اور تخلیق انسانیت کے اس مقصد کو ہمہ وقت پیش نظر رکھنے کے لیے تمام اہم دنوں کو کسی اہم عمل کے اختتام یا آغاز سے جوڑا ہے۔ کائنات میں ہونے والی فطری تبدیلیوں، دن رات کے آنے جانے اور موسموں کی تبدیلی کے آثار پر غور و فکر کی دعوت بھی دی ہے تو اس لیے کہ اس سے انسان کے دل میں معرفت کی کونپل پھوٹ سکے اور وہ عمل خیر کی طرف راغب ہو جائے۔ بسنت کا میلہ اگرچہ موسمی تہوار ہے مگر اس موسم میں یہ تہوار دیوی دیوتاؤں کے پجاری منایا کرتے ہیں اور لاہور میں اس کا منایا جانا تو انتہائی خطرناک پس منظر رکھتا ہے۔ اس شہر میں اس تہوار کا زور پہلے سکھوں کے عیاش حکمران رنجیت سنگھ کے ہاتھوں ہوا پھر ہندو عوام نے توہین رسالت کے مرتکب ایک گستاخ چھوکرے کو ہیرو کا درجہ دینے کے لیے زور و شور سے منانا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ سکھ ہٹ گئے، ہندو پیچھے رہ گئے اور رسم پرستی کا یہ جھنڈا سادہ لوح مسلمانوں نے تھام لیا۔

ممکن ہے ماڈرن طبقہ یہ بات تسلیم نہ کرے۔ ہمارے دانشور بھی ہم مولویوں کی کتابی تحقیق کو اہمیت نہ دیں، ان کے خیال میں یہ انسائیکلوپیڈیا کی سی ڈیز اور انٹرنیٹ کے ذریعے کی جانے والی "سائنٹیفک ریسرچ" کا دور ہے جو بات بھی "کوڈ" کی جائے اس کے ساتھ "ریفرنس" ضرور ہونا چاہیے اور ریفرنس ان حوالہ جات کا معتبر ہے جہاں تک کسی مُلا کی پہنچ نہ ہو۔ اس مرتبہ ایسا ذہن رکھنے والے کلمہ گو بھائیوں کے لیے ہم نے انٹرنیٹ کے بعض مشاق غوطہ خور ساتھیوں کو تکلیف دی تھی۔ انہوں نے اس پیچ در پیچ جال سے جو کچھ نکالا وہ پیش خدمت ہے۔ رنگوں کی دنیا میں رہنے والے روشن خیال ہم وطن اس کا مطالعہ کریں اور سوچیں کہ دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے والے اس تہوار کو کیونکر مذہب سے لاتعلق قرار دیا جاسکتا ہے؟ جو حضرات انگریزی کی اصل عبارت دیکھنا چاہیں وہ ان سائٹس پر جاسکتے ہیں۔

WWW.MANTRAONNET.CCOM/BASANT-PANCHAMI.HTML

WWW.HINDUONNET.COM/THEHINDU/MAG/2002/03/17.STORIES

2002031700160200.HTM

ذیل میں دیا گیا ترجمہ حتی الامکان تحت اللفظ ہے۔ اس میں کسی قسم کا اضافہ یا قطع برید نہیں کی گئی۔ ساتھ ہی کتاب کے آخر میں دو مزید کتابوں کے مندرجات کا عکس ملاحظہ فرمائیں جن میں سے ایک کو "لاہوریات" پر انسائیکلوپیڈیا تسلیم کیا جاتا ہے اور دوسری نئے لکھنے والوں میں سے اس طبقے سے تعلق رکھنے والے مصنف کی ہے جس کی بات ان لوگوں کے لیے بھی مسموع ہونی چاہیے جو حجرہ نشین مولویوں کی ہر بات میں شدت پسندی، خشک فکری، طبعی جمود یا اس سے ملتا جلتا کوئی پہلو نکال کر اسے رد کر دینے کا مزاج بنا چکے ہیں۔

اب آپ انٹرنیٹ سے لی گئی معلومات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔ باقی باقی۔

"بسنت پنچمی درحقیقت ایک ہندوانہ تہوار ہے جو کہ ہندو بڑے جوش و خروش سے مناتے ہیں۔ جب کھیت میں چاروں طرف پیلے پھول لہرانے لگتے ہیں تو سمجھ لیجیے کہ تہوار

کا وقت آ گیا ہے۔ موسم بہار کا تہوار صحیح معنوں میں ہندو اپنی دیوی سرسوتی کی تعظیم میں مناتے ہیں۔ جب بیر پک کر پیلے ہو جاتے ہیں، ڈھاک اور اشوکا اپنے عروج پر ہوتے ہیں تو پھر خاص طور پر طالب علم ان کے علم کی دیوی سرسوتی کو اور دوسری دیویوں یعنی ذہن کی دیوی، آزادی کی دیوی اور تمام دیوتاؤں کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

ہندوؤں کے لیے یہ موسم اس لیے بھی بہت اہم ہے کہ ان کے دیوتا کرشنا نے خود کہا کہ یہ پھولوں کا موسم ہے۔ بسنت پنچمی چاند کی پانچویں تاریک رات، فروری کے مہینے میں منائی جاتی ہے، دراصل یہ تہوار صرف اور صرف سرسوتی دیوی کی پوجا کے لیے ہوتا ہے۔ ہندوؤں کے مطابق دیوی سرسوتی کی مہربانی سے انسان خود کو پہچاننے لگا ہے بلکہ انسان تو انسان دوسرے دیوتا بھی اپنے آپ کو پہچاننے لگے ہیں۔ اسی کی وجہ سے اچھی اور بری چیزوں میں پہچان ہو رہی ہے۔ اس طرح سے ہندوؤں کا ایک مذہبی تہوار بن گیا جس میں کہ چاروں طرف پھولوں کی خوشبو مہکتی ہے اور صندل کی تیز خوشبو پھیلی ہوتی ہے۔ اس مبارک موقع پر ہندو برہمن اپنے بچوں کو مذہبی تعلیم کے لیے اسکول میں داخل کراتے ہیں اور ان کا جو دیوتا کرشنا ہے وہ بھی دیوی سرسوتی کی پوجا کرتا ہے { یہ بھی ہندوؤں کے مذہبی داستان طرازوں کا کمال ہے کہ دیوتا سے بھی دیویوں کی پوجا کروا کے چھوڑی۔ راقم }

کیونکہ ان کے مطابق اس کی وجہ سے وہ سولہ فنون اور دوسری باتوں کا ماہر ہوا تھا حتیٰ کہ آج کل کے جدید دور میں بھی غالباً بنگال میں بچوں کی تعلیم اس دن سے شروع کرتے ہیں کیونکہ ان لوگوں کا خیال ہے کہ اس دن سے تعلیم شروع کرنے سے دیوی سرسوتی کی مہربانیاں ان کے ساتھ ہوتی ہیں۔ پچھلے عہدوں میں اس وقت کے بادشاہوں نے اس دیوی کے سلسلے میں ادبی مباحثے ترتیب دیے۔ اس میں شاعروں، ادیبوں، تمثیل نگاروں کو مبارکباد اور انعامات دیے گئے۔ اور اسی تہوار میں کالی داس (بطور تمثیل) لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا۔

ہندوؤں کے ہاں اس بسنت تہوار کا ایک تکنیکی مقصد یہ بھی ہے کہ یہ غذا اور کپڑوں کی

تبدیلی کی اطلاع ہے کیونکہ جیسے جیسے بسنت کا وقت قریب آتا ہے تو جسم میں قوت بڑھتی ہے اور خون بڑھتا ہے۔ اس میں جنسی رجحان بہت ہوتا ہے اس لیے اس وقت کے کھانوں میں بہت زیادہ مصالحہ جات کا استعمال نہیں ہوتا کیونکہ اس مناسبت سے صحت پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔

ہندوؤں کے دھرم کے مطابق بسنت تہوار ان کے لیے بہت اہم ترین دن ہے اور اس کا منانا ان کے لیے مذہبی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ تہوار زیادہ تر پنجاب اور شمالی علاقوں میں فصل کٹ جانے پر منایا جاتا ہے اس روز لوگ زرد کپڑے پہنتے ہیں اور پیلے چاول کھاتے ہیں۔ بھنگڑا ناچ اس تہوار کا خاص حصہ ہے۔''



چنے کا جھاڑ

ہم زمانہ طالب علمی میں ایک مرتبہ رائے ونڈ اجتماع میں شرکت کے لیے گئے تو ہمارے ساتھ گئے ایک طالب علم کو اپنے چچا سے ملنا تھا۔ اس کی اطلاع کے مطابق وہ ''مبینہ طور پر'' اجتماع میں شرکت کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے۔ ساتھی نے ان سے ملنا بھی تھا اور دستور کے مطابق گھر سے آئے ہوئے کچھ ''سوال جواب'' تھے جو اس نے وصول کرنا تھے۔ مشکل یہ آن پڑی تھی کہ وہ بچپن سے ان کو ''ماسٹر چچا'' کہہ کر پکارتا تھا اور ان کی یہ عرفیت خاندان بھر میں اتنی مشہور تھی کہ ان کا اصل نام بڑوں کو معلوم ہو تو ہو، چھوٹوں میں سے کسی کو یاد تھا نہ معلوم۔ اس واسطے وہ امیر صاحب سے اجازت لینے کے باوجود مخمصے میں تھا کہ وہ ان کے حلقے میں ان کو پوچھے گا کیونکر اور اتنے لوگوں میں نام کے بغیر ان کو کس طرح تلاش کرے گا؟ اس نے اپنی اس پریشانی کا ذکر بندہ سے کیا اور تلاش کی اس مہم میں ساتھ چلنے کی درخواست کی۔ بندہ ساتھ ہولیا لیکن اس دن ہمیں اس حلقے کے ہر بانس کے پاس جس پُر لطف شرمساری کا سامنا کرنا پڑا وہ آج تک مزہ دیتی ہے۔ اب ہمارے اس دوست کے چچا کوئی امتیاز علی تاج والے ''چچا چھکن'' تو تھے نہیں کہ خلقت خدا ان سے متعارف ہوتی۔ اس علاقے کے لوگ حیران تھے کہ یہ کیسے پھر یلے مستک (گھومے ہوئے دماغ) والا طالب علم ہے کہ اس کو اپنے چچا کا نام تک نہیں معلوم۔ ہماری سراغ رسانی کے محور محترم چچا صاحب کی لال ڈاڑھی بھی تھی لیکن اس دن ہمیں ''عموم وخصوص مطلق'' کی وہ مثال سمجھ میں آئی جو منطق کے استاذ گرامی آسانی کے لیے بتایا کرتے تھے کہ ایک شخص کسی گاؤں میں لال ڈاڑھی والے شاہ بزشاہ کو پیغام دینے گیا اور ''مرسل الیہ'' کے پورے نام و عرفیت کی جگہ لال ڈاڑھی کی شناخت یاد کرلی۔ اب اس گاؤں میں جو بھی لال ڈاڑھی والا ملتا وہ اسے روک کر پیغام

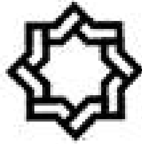
سنانے کی کوشش کرتا اور جواب میں جھڑکیاں سنتا۔ اس لیے کہ شاہزادہ کی تو لال ڈاڑھی تھی مگر ہر لال ڈاڑھی والا شاہزادہ نہیں ہوتا۔

راۓ ونڈ کے جمِ غفیر میں اس دن ہم اپنی مطلوبہ شخصیت تک کس طرح پہنچے؟ یہ الگ کہانی ہے۔ اس وقت اس واقعے کی یاد اس طرح آئی کہ بعض قارئین نے شکوہ بھیجا ہے کہ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن بسنت پنچمی کی لغوی تحقیق بیان ہوئی ہے نہ اس کے صحیح تلفظ اور موقع استعمال کی وضاحت کی گئی ہے گویا کہ کوئی چنے کے جھاڑ پر چڑھ گیا ہے لیکن اسے ابھی یہ نہیں معلوم کہ چنے کی بیل ہوتی ہے یا پودا؟ سو ایسے محترم حضرات کے لیے اس مرتبہ جس کتاب کا عکس منتخب کیا گیا ہے[1] اس میں "بسنت اور پنچمی" دونوں الفاظ کی مکمل تحقیق کے ساتھ اس بات کی تاریخی سند موجود ہے کہ ہندوؤں کا یہ مذہبی میلہ ہندوستان کے مسلمانوں میں کیسے رواج پا گیا؟ (یاد رکھیے! بسنت غیر مسلموں کا موسمی یا قومی تہوار نہیں کہ اس میں شرکت دنیاوی تقریبوں کی طرح کچھ ہلکا حکم رکھتی ہو بلکہ یہ انکا مذہبی تہوار ہے۔ پچھلی قسط کا عنوان اسی بات کی طرف اشارے کے لیے منتخب کیا گیا تھا) ساتھ منسلک دوسرا حوالہ جس کتاب کا ہے اس سے لی گئی ایک عبارت کا عکس آپ پہلے بھی دیکھ چکے ہیں۔ اس کے مصنف کو تاریخ کے علاوہ آثار قدیمہ، مجسموں، سکوں اور نوادرات سے بھی دلچسپی تھی اور اپنی متجسسانہ طبیعت کی بدولت انہوں نے باریک بینی کو اپنا نصب العین بنایا اور احتیاط اور چھان بین کے بعد مبالغہ آرائی سے پاک اور مبنی بر حقیقت واقعات وحقائق بیان کیے ہیں۔ چنانچہ انگریز تحقیق کار بھی ان کی کتاب کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ ان کی ایک کتاب "تاریخ پنجاب" بھی ہے لیکن افسوس کہ اس میں انہوں نے اس موضوع کو نہیں چھیڑا لہٰذا اسی پہلی کتاب سے ایک دوسرے صفحے کا عکس پیش خدمت ہے یہ دونوں حوالے اس اعتبار سے جوڑی دار ہیں کہ ان میں سے پہلا ہندوستان کے مسلمانوں میں اس ہندوانہ رسم کے اپنانے اور دوسرا لاہور کے خصوصیت سے اس میلے کا مرکز اور گڑھ بن جانے کے تاریخی پس منظر سے آگاہی میں

۱- اس سے "فرہنگ آصفیہ" کا عکس مراد ہے جو آپ کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

ہماری مدد کرتا ہے۔

ملک کے بعض مشہور اور نامی گرامی کالم نگار حضرات نے علماء کرام سے گزارش کی ہے کہ حضرات علماء کرام نے آج تک نیزہ بازی اور گھڑ دوڑ کے علاوہ تفریح کو حرام قرار دیا ہے۔ آج جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس خطا کا بھی نتیجہ ہے۔ اگر ان کے پاس عوام کی تفریحات کے لیے کوئی پروگرام ہے تو براہ کرم اسے سامنے لائیں تاکہ جائز تفریحات کو ناجائز رنگ دینے والوں کی حوصلہ شکنی ہو۔ اس بارے میں ہم اگلی مجلس میں کچھ عرض کریں گے۔



باخبروں کی بے خبری

پچھلی مجلس کے اختتام پر ذکر ہوا تھا بعض نامور صحافی حضرات نے علماء کرام سے شکوہ کیا ہے کہ انہوں نے آج تک نیزہ بازی اور گھڑ سواری کے علاوہ ہر تفریح کو حرام قرار دیا ہے اور آج عوام کی بے راہ روی ان کی اس خطا کا نتیجہ ہے۔ علماء کرام پر عوام کی طرف سے جو اشکالات ہوتے ہیں بندہ کا ذاتی تجزیہ اور بارہا کا تجربہ ہے کہ اس کی وجہ غلط فہمی، غلط اطلاع اور غلط پروپیگنڈے سے متاثر ہو جانا ہوتا ہے۔ عوام کو تو بے خبری میں مغالطے میں پڑ جانے کی رعایت دینے پر آدمی مجبور ہوتا ہے لیکن پڑھے لکھے حضرات جب ایسی کوئی بات کرتے ہیں تو بہت رنج ہوتا ہے کہ باخبروں کی بے خبری سے بڑھ کر افسوسناک چیز کوئی نہیں ہوتی۔ پھر جن لوگوں کا تعلق لکھنے پڑھنے یا علم و تحقیق سے ہے اور ان کی تحریریں لاکھوں لوگوں کے ذہن، نظریات اور کردار پر اثر انداز ہوتی ہیں انہیں اس طرح کی بات کہتے وقت سو مرتبہ قلم کی اضافی سیاہی کو چھڑکنا پھر لکھنا چاہئے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کون سے کھیل جائز ہیں؟ تو علماء کرام نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔ مروجہ کھیلوں میں سے ایک ایک کھیل کا حکم بیان کیا ہے اور جائز کے علاوہ پسندیدہ کھیلوں کی فہرست بھی دی ہے۔ ان کی پوری کوشش رہی ہے کہ حدود شرع کے اندر رہتے ہوئے جس چیز کی اجازت ہو اس کی ضرور گنجائش نکالی جائے۔ ان حضرات نے اس موضوع پر مفصل فتاویٰ کے علاوہ مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔ ساتھ میں ان اصولوں کو واضح کیا ہے کہ جن کے ذریعہ ہر انسان کسی نئے کھیل کے جائز و ناجائز ہونے کو پرکھ سکتا ہے۔ برادر گرامی مولانا اسلم شیخوپوری صاحب نے اپنے مضمون میں ان اصولوں کا خلاصہ دیا ہے لہٰذا ہم صرف آخر میں اس کتاب کا سرورق کا عکس دینے پر اکتفا کریں گے جو اس موضوع پر ایک مستند اور محقق عالم کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ بات

دھیان میں رہے کہ اس میں لکھے ہوئے جو کھیل فی نفسہ جائز ہیں وہ خارجی عوارض مثلاً نماز، روزہ چھوڑنے، ضروری مشاغل میں حرج پڑنے، جوا، سٹہ کھیلنے یا کھیل کو مقصد بنا لینے کی وجہ سے ناجائز ہو جاتے ہیں۔

ان محترم صحافی کی دوسری گذارش تھی کہ علماء کرام کے پاس عوام کی تفریحات کا کوئی پروگرام ہے تو سامنے لائیں تو اس سے ہم معذرت خواہ ہیں کہ ایسے پروگرام علماء کے بس میں نہیں۔ کیا قوم رنز کے فرضی پہاڑ کھڑے کرنے اور کروڑہا روپے خرچ کر کے "مفت کی بدنامی" مول لینے میں پہلے سرتاپا غرق نہیں کہ انہیں مزید پروگرام بنا کر دیے جائیں۔ اس وقت جب کہ عراق پر کسی بھی وقت صلیبی طیاروں کا غول حملہ آور ہو سکتا ہے اور پھر بھی لاہور کی فضا پتنگوں سے بھری ہوئی ہے، کس کا جگر ہوگا کہ تفریح کے پروگرام بنائے؟[1]

لاہور والو! اس ہیبت ناک وقت کو نہ بھولو جو ایک مرتبہ آ جاتا ہے تو ٹلتا نہیں اور تمہاری مست ملنگیاں دیکھ کر ڈر لگتا ہے کہ خدانخواستہ کہیں تم کسی مشکل میں نہ پڑ جاؤ۔

یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے۔ ایک ہے بسنت کا تہوار، یہ صدیوں سے ہندو دھرم اور ہندوانہ ثقافت کا حصہ ہے اور ایک ہے بسنت کے موقع پر لاہور میں گاڑے گئے ایک ہندو لڑکے کی سمادھی پر (وہ جگہ جہاں ہندو مُردے کی ہڈیاں دفن کرتے ہیں۔ یہ منحوس مقام آج کل کوٹ خواجہ سعید کے قبرستان کے پاس موجود ہے۔ ۶۰ نمبر ویگن براستہ داتا دربار، چڑا منڈی اور اسٹیشن سے ہوتے ہوئے گوجر پورہ چوک سے گذر کر یہاں جاتی ہے۔ اس جگہ کا ایک نام مجید پارک بھی ہے۔ اب مندر کالو رام یا حقیقت رائے کی مڑھی سے مشہور ہے۔) ہونے والا میلہ۔ یہ آج سے ڈھائی سو سال قبل ۱۷۴۷ء میں شروع ہوا۔ پھر میلوں ٹھیلوں میں ہونے والے دیگر کھیلوں کے ساتھ رفتہ رفتہ اس میں موسم کی مناسبت سے پتنگ بازی کے مقابلے شامل ہو گئے اور سارے شہر میں پھیل گئے۔ اچھی طرح پھر یہ فرق سمجھ لیجئے تاکہ تضاد باقی نہ رہے کہ بسنت مسلمانوں کی برصغیر میں آمد سے بھی پہلے منائی

۱- یہ مضمون اس وقت لکھا گیا جب امریکا عراق پر بمباری کے لیے پر تول رہا تھا۔

جاتی تھی۔ مسلمانوں نے ہندوستان میں طویل عرصہ خود مختار حکومت کی لیکن اسلامی تہذیب کے احیاء اور اسلامائزیشن کی کوشش نہ کی۔ مؤرخین کی تصریح کے مطابق جن ہندوانہ تہواروں میں مغل شہزادے اور بیگمات حصہ لیتی تھیں ان میں ہولی اور دسہرہ کے ساتھ بسنت بھی شامل تھی، لیکن یہ تہوار عیش پسند خواص تک محدود تھا پھر امیر خسرو کے ذریعے عوام میں پھیلا اور پھر لاہور میں اس میلے کا زور ہندوؤں کے ایک تقیہ سے شروع ہوا جو انہوں نے بسنت کے دن ایک گستاخ لونڈے کے مرنے پر اس کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے کیا۔ گویا کہ بسنت کا تہوار ہندوؤں کی جنونیت کا مظہر ہے۔ اس فرق کی وضاحت کی خاطر اس مرتبہ مغلیہ دور پر لکھی جانے والی ایک کتاب سے عکس پیش کرتے ہیں۔[1]

---

[1] یہ عکس آپ کتاب کے آخر میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

دُہرا نہیں تہرا گناہ

بات یہ ہو رہی تھی کہ بسنت کا پس منظر اور تاریخی حقیقت کیا ہے؟ اب تک مختلف تاریخی حوالوں کی روشنی میں آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ اس کی زردی کے نیچے کس طرح اندھیروں نے جگہ بنا رکھی ہے۔ ہندوؤں کے دھرم میں (آپ اسے ہندوانہ ثقافت اور ہندو تہذیب بھی کہہ سکتے ہیں) تقریباً دو درجن کے قریب تہوار ہیں جو سال کے مختلف دنوں میں منائے جاتے ہیں۔ ہندو مصنفین نے ان تہواروں کی جغرافیائی کیفیت، مذہبی حقیقت اور تاریخی حیثیت پر بحث کی ہے اور ان کی متعدد تصانیف اس موضوع پر ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندو بڑوں کے ان اختراعی تہواروں کو اپنی قوم کے لیے قابل قبول بلکہ باعث فخر ثابت کرنے کے لیے زور قلم صرف کرتے رہے ہیں۔ آج آپ ایسی ہی ایک کتاب کے صفحات کا عکس دیکھیں گے۔ یہ کتاب آج سے تقریباً سو سال پہلے چھپی تھی، بسنت پر لکھنے والے اس کے حوالے تو دیتے تھے لیکن اصل کتاب کہیں مل کر نہ دیتی تھی، کئی لائبریریاں چھاننے کے بعد اس کا اصل نسخہ ہاتھ لگ سکا ہے جس کے متعلقہ صفحات کا عکس حسب وعدہ پیش خدمت ہے۔

اب تک جن کتابوں کا ہم نے عکس دیا ہے، ان کی تین قسمیں کی جا سکتی ہیں:

- پہلی قسم میں ہندوستان کے رسم و رواج پر لکھی گئی وہ قدیم تاریخی کتابیں آئیں گی جن میں ہزار سال پہلے ہندوؤں کی خوشی اور عید کے تہواروں کا تذکرہ ہے اور اُن میں سے چلے آنے والا ''بسنت'' سرفہرست ہے۔
- دوسری قسم میں وہ کتابیں ہیں جن سے صراحت کے ساتھ یہ ثابت ہوتا ہے کہ لاہور میں جو بسنت منایا جاتا ہے یہ دوسرے شہروں کی بسنت سے زیادہ خطرناک ہے اس

لیے کہ یہ محض ہندوؤں کے ساتھ میل جول کا نتیجہ نہیں، ورنہ دوسرے شہروں کے مسلمان بھی جو ہندوؤں کے ساتھ رہتے تھے اس کو اتنے ہی جوش وخروش سے مناتے، بلکہ یہ ہندوؤں کی ایک فریب کاری کے تحت مسلمانوں میں رواج پا گیا ہے اور وہ یہ تھی کہ ہندو ایک گستاخ رسول لڑکے کو خراج عقیدت پیش کرنا چاہتے تھے مگر مسلمان سلطنت کی حدود میں ایسا نہ کر سکنے کے سبب یہ طریقہ اختیار کیا کہ اس کی سمادھی پر بسنت کا میلہ منانا شروع کر دیا۔ اس لڑکے کو موت کی سزا اتفاق سے بسنت پنچمی کے دن دی گئی تھی اس لیے کسی کو شبہ بھی نہ گذرا کہ ہندو اس میلے کی آڑ میں کیا کرنا چاہتے ہیں؟ چنانچہ ان بدباطنوں نے مسلمانوں کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نہ صرف یہ کہ اس تہوار کو توہین رسالت کی یادگار کے منحوس ارادے کے تحت جوش وخروش سے منانا شروع کیا بلکہ اسے اتنا فروغ دیا کہ مسلمان بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ جو شخص بھی انصاف کے ساتھ تاریخ کے صفحات پڑھے گا اسے یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہ رہے گا کہ یہ محض لاہوریوں کی زندہ دلانہ تفریح نہیں بلکہ اس کے پیچھے ہندوؤں کی مکارذہنیت کارفرما ہے۔ لاہوریات پر لکھنے والے تمام مصنفین جب لاہور کے میلوں کا تذکرے پر پہنچتے ہیں تو بلا استثناء سب کے سب خود کو یہ کہنے پر مجبور پاتے ہیں کہ اس میلہ کا مرکزی مقام ایک کھتری لونڈے کا مرگھٹ تھا جس کی راکھ ہمارے سادہ لوح مسلمان اپنے اوپر بکھیر رہے ہیں۔

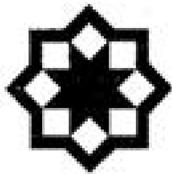
اس موضوع پر کتابوں کی ایک تیسری قسم وہ ہے جس میں اس بات کا کھوج دیا گیا ہے کہ ہندوؤں کے دوسرے تہواروں کی بنسبت بسنت مسلمانوں میں کیوں زیادہ فروغ پا گیا؟ مسلمانوں پر ہندو تہذیب کے اثرات کے موضوع پر کئی تحقیقی کتابیں لکھی جا چکی ہیں، ان میں اہل علم نے نام بنام گن کر بتایا ہے کہ شادی اور غموں کے موقع پر دین کی سمجھ نہ رکھنے والے مسلمان جو کچھ کرتے ہیں ان میں سے جہاں کچھ رسمیں ان کی جہالت کی پیداوار ہیں، وہیں بڑی تعداد ان رسوم کی ہے جو اپنی اصل سے ہندوانہ ہیں اور مسلمان ناسمجھی میں انہیں

اختیار کر کے دُہرے گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں بلکہ دُہرے گناہ کا لفظ دوسری رسموں کے لیے تو درست ہے، بسنت کے لیے ''تہرے گناہ'' کا لفظ کہنا چاہیے۔

- ایک گناہ فضول جاہلانہ رسم کو اپنانے کا،
- دوسرے دشمنِ دین وملت ہندوؤں کی نقالی کا،
- تیسرے گستاخانِ رسول کی دوغلی حرکت میں ان کا ساتھ دینے کا۔

اس سلسلہ میں مزید آپ ایسی کتابوں کا مطالعہ کریں جو خاص اس موضوع پر (یعنی مسلمانوں پر ہندو تہذیب کا اثر) لکھی گئی ہیں اور ہولی دیوالی کی طرح بسنت کے پس منظر سے بھی پردہ اٹھاتی ہیں۔ ہم نے اس موضوع پر تفصیلی بحث سے گریز کیا ہے البتہ صرف اتنا مواد قارئین کی دسترس میں پہنچانے کی کوشش ہے کہ وہ خود بھی حق و باطل پہچان سکیں اور کوئی اس بارے میں اپنی تسلی کرنا چاہے تو اسے بھی تشفی بخش ثبوت دے سکیں تاکہ روز قیامت ہمارے زندہ دل برادرانِ اسلام دیگر شکووں کی طرح علماء کرام سے یہ شکوہ نہ کر سکیں کہ انہوں نے ہمیں حقیقت حال سے لاعلم اور رسوم قبیحہ کے مضمرات سے بے خبر رکھا۔

وما علینا الا البلاغ!



بسنت اور پتنگ بازی

مولانا مجاہد الحسینی

ایک خبر کے مطابق لاہور میں ۶ اور ۷ فروری کو دو روزہ بسنت فیسٹیول منانے کی تیاریاں زور وشور کے ساتھ جاری ہیں۔ گزشتہ سال بھی حکومتی سرپرستی میں بسنت منایا گیا تھا، اس سال ان دنوں یہ عیاشی ہو رہی ہے جب کہ ایک اسلامی ملک عراق پر دشمن اسلام امریکا کی جانب سے قیامت خیز حملے کی تیاری ہے اور بعد ازاں ایران و پاکستان کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کی خبریں مل رہی ہیں۔ ''ثقافتی شو'' کے زیر عنوان یہ ''عیاشی'' اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

اُمت مسلمہ کی تہذیب وثقافت اور نظامِ زندگی غیر مسلموں سے قطعی مختلف ہے، اسی بنیاد پر یہ پاکستان معرضِ وجود میں آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پاکستانیوں پر مادی وسائل وذرائع کے باب کھول دیے اور دولت وسرمائے کی اس قدر فراوانی ہوگئی ہے کہ اصحاب ثروت نے عیش کوشی اور سرمستی کی راہ اختیار کر کے عام لوگوں خصوصاً وسائل زندگی سے محروم افراد کے لیے جینا حرام کر دیا ہے اور لہو ولعب اور کھیل کود کا وہ طریق کار اختیار کر لیا ہے جو انسانی جان کا دشمن، دولت وسرمائے کے ضیاع کا موجب اور نظامِ زندگی مفلوج کر دینے کا باعث ہے۔ اس سلسلے کا خطرناک کھیل پتنگ بازی ہے جو موسم بہار کی آمد آمد پر کھیلا جانے لگا ہے۔ اسلام نے کھیل کود اور اظہار مسرت وخوش طبعی پر کوئی قدغن یا پابندی عائد نہیں کی بلکہ اس کے لیے کچھ حدود وقیود اور ضابطے مقرر کر دیے ہیں، عید اور مسرت کے سلسلے میں حضور محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے موقع پر جب

یہودیوں اور عیسائیوں کی جانب سے اظہار مسرت کا یوم اور ان کی تقریب دیکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کا ایک دن ہے اور ہمارے لیے اللہ تعالیٰ نے مسرت وشادمانی کے دو دن مقرر کیے ہیں، ایک عید الفطر اور دوسرا عید الاضحیٰ۔

چنانچہ اُمت مسلمہ ان دونوں ایام پر اظہار مسرت وشادمانی کا خوب خوب مظاہرہ کرتی ہے اور پوری دنیا کے مسلمان ان دنوں میں کسی قسم کے غل غپاڑے اور بدتہذیبی کا مظاہرہ نہیں کرتے بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق نہایت شائستگی کے ساتھ ایام عید ومسرت مناتے ہیں۔ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوتے اور دعائیں کرتے ہیں لیکن یہ انتہائی افسوسناک صورت ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ہندوؤں اور غیر مسلموں کا کھیل ''پتنگ بازی'' اب حکومتی تائید وحمایت اور اس کے ذریعۂ ابلاغ کی ترغیب کے ساتھ تہذیب وشرافت کی حدود وقیود سے تجاوز کی صورت میں منایا جانے لگا ہے، اور نوبت بایں جا رسید کہ ہر سال سینکڑوں معصوم بچے اور جوان پتنگ بازی کے دوران اور اس کے ثمرات (پتنگ) لوٹتے ہوئے مکانوں کی چھتوں سے گر کر بجلی کے تاروں میں الجھ کر اور تانبے کے تاروں سے پتنگ بازی کرتے ہوئے موت کی وادی میں چلے جاتے ہیں۔ اس کھیل کے باعث بجلی کی سپلائی بند ہو جاتی ہے اور کئی گھنٹے تک علاقے تاریکی میں ڈوب جاتے ہیں۔ اسپتالوں میں بجلی کی سپلائی نہ رہنے پر آپریشن تھیٹر میں کئی مریض ادھورے آپریشن کی صورت میں دم توڑ جاتے ہیں، غرضیکہ یہ کھیل نہ تو صحت افزائی کا موجب ہے نہ اس کے مادی فوائد ہیں، جس کھیل میں معصوم بچوں اور جوانوں کی اچانک موت کے باعث بے شمار ماؤں کے جگر گوشوں کی میتیں ان کے سامنے آجائیں، جن بوڑھوں کے جوان سہارے آناً فاناً ٹوٹ جائیں ان پر جو گذرتی ہے وہی جانتے ہیں۔

بعض ''اعلیٰ'' حلقوں سے بھی یہ آواز سننے میں آئی ہے کہ موسم بہار کی آمد پر اظہار مسرت کی آزادی ہونی چاہیے، اگر موسم بہار کی آمد کے موقع پر مسلمانوں کا اپنا کوئی انداز

اور کھیل نہیں ہے اور ہندوؤں کا ہی کھیل اپنانا ضروری ہے تو ہولی کا تہوار ہے اس میں صرف ایک دوسرے پر ''رنگ افشانی'' ہوتی ہے۔ ملبوسات پر رنگ پھینک کر خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے، اس میں جانوں کا نہیں صرف کپڑوں اور ملبوسات کا ضیاع اور نقصان ہوتا ہے، مادی اعتبار سے یہ کھیل پتنگ بازی سے ارزاں ہے، پتنگ بازی کے حامی سرکاری حلقوں کو اس سستے کھیل کی افادیت کی جانب بھی توجہ دینے کی راہ نکالنی چاہیے کیونکہ دو قومی نظریہ پروان چڑھانے کی اب یہی صورت رہ گئی ہے۔

ٹوٹی پتنگ اور کار کی ڈگی:

پتنگ بازی کی بات چل نکلی ہے تو اس سے متعلق مبنی بر صداقت تازہ لطیفہ بھی سن لیجیے:

ایک بڑے سرکاری افسر نے اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا ہے کہ نئے ملی وقومی کھیل ''پتنگ بازی'' کے دن میں اپنے دفتر میں بیٹھا تھا کہ باہر ایک کروڑ پتی نے اپنی ٹویوٹا کرولا نئی ماڈل کی کار سے ابھی قدم باہر رکھا ہی تھا کہ اس کے سامنے ایک چھوٹی سی پتنگ آ کر گری، اس نے وہ اٹھائی اور اپنی نئی نویلی کار کی ڈگی میں رکھ لی۔

سرکاری افسر کی بات سن کر میں نے کہا بھائی: جس شخص کی نشو ونما کرپشن اور لوٹ مار کے ماحول میں ہوئی ہو وہ روپے دو روپے کی ٹوٹی پتنگ لوٹنے میں ایک چاشنی محسوس کرتا ہے، لوٹ کھسوٹ اب اس کی گھٹی میں رچ بس گئی ہے، کیا آپ روز نہیں دیکھتے کہ گنے سے لدے ٹرکوں اور ٹرالیوں کے پیچھے کس طرح لڑکے اور نوجوان دوڑ دوڑ کر گنا کھینچنے کی کوشش کیا کرتے ہیں حتیٰ کہ ساٹھ ستر ہزار روپے کے نئے موٹر سائیکل سوار بھی گنا لوٹنے کی کوشش کو ثواب سے بھی افضل سمجھتے ہیں، لوٹ کھسوٹ تو اب ہمارا قومی شعار اور ملی پہچان کا درجہ اختیار کر گئی ہے، کوئی ہے جو شمار کر کے بتائے کہ گنے سے لدے ہوئے تیز رفتار ٹرک یا ٹرالی سے ایک گنا کھینچ کر لوٹنے اور دو روپے اور پانچ روپے کی کٹی پتنگ لوٹنے یا پتنگ کی ڈور سے سائیکل سوار لڑکوں، موٹر سائیکل سوار نوجوانوں کی شہ رگ کٹنے کے حادثات میں کتنے لقمۂ اجل

بن گئے اور کتنے گھر کے چراغ گل ہوئے ہیں؟

یہ سرمایہ اور فائرنگ کی یہ گولیاں:

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں کروڑوں روپے پتنگ بازی، آتش بازی اور ہوائی فائرنگ پر ٹھیک ان دنوں ضائع ہو رہے ہیں جب کہ اسی پاک وطن کے بہت سے لوگ بھوک اور وسائل زندگی سے محرومی سے تنگ آ کر خودکشیوں اور خودسوزیوں کی دہشت ناک ہلاکتوں کی راہ اختیار کرنے پر مجبور ہیں جب کہ غیر مسلم ممالک میں فرزندانِ اسلام کو چن چن کر گولیوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، مسلمانوں کی آبادیاں کھنڈروں میں تبدیل کی جا رہی ہیں، مسلمان عورتوں کی اجتماعی آبرو ریزی، فرزندانِ اسلام کی نسل کشی اور قتل وغارت گری کا الاؤ ہر شے بھسم کر رہا ہے ننھے ننھے معصوم یتیم بچے گلیوں اور سڑکوں پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر موت کی ہچکیاں لے رہے ہیں۔

پتنگ بازی میں کروڑوں روپے فضا میں بکھیر دینے والو! اور لاکھوں گولیاں فضا میں ضائع کر کے جشن بہاراں منانے والو! یہ کشمیر، بھارت، فلسطین اور افغانستان کے مظلوم مسلمان تمہارے ہی دینی اسلامی بھائی ہیں۔ اس کروڑوں کے سرمائے سے تم اپنے ملک کے غریبوں اور مسکینوں کی مالی مدد کر کے انہیں خودکشیوں اور خودسوزیوں کی ہلاکت خیزیوں سے نجات دلا سکتے ہو، کشمیر اور فلسطین کے مظلوموں کے دکھوں کا مداوا کر سکتے ہو۔ یہ دولت اور سرمایہ اللہ تعالیٰ کی ایک امانت ہے جو قیامِ پاکستان کے بعد تمہارے خالی ہاتھوں میں دی گئی تھی، تم اگر شیطانی کاموں میں ضائع کرنے سے باز نہ آئے تو رزق اور مادی اسباب کے دروازے کھول کر دولت وسرمائے کی فراوانی دینے والا یہ دروازہ بند بھی کر سکتا ہے۔

ڈرو اس سے جو وقت ہے آنے والا



بسنت کی حقیقت

آغاز سے انجام تک

یاسر محمد خان

بابر ہندوستان پہنچا تو اس نے مقامی لوگوں کو عجیب تہوار مناتے دیکھا۔ اس نے دیکھا لوگ بہار کے پہلے ہفتے پیلے رنگ کے کپڑے پہنتے، ڈھول بجاتے اور ناچتے ہیں۔ بابر یہ تہوار دیکھ کر حیران رہ گیا، اس نے تحقیق کرائی تو معلوم ہوا مقامی لوگ اسے استقبالِ بہار کا تہوار کہتے ہیں۔ مقامی زبان میں اس تہوار کا نام "بسنت" تھا۔ بابر نے اس تہوار کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ آنے والے دنوں میں مغل شہزادیاں بھی یہ تہوار مناتی رہیں۔

بسنت کا آغاز:

بسنت کا آغاز ہندوستان کے دو صوبوں میں ہوا، اُتر پردیش اور پنجاب۔ مؤرخین یہ طے نہیں کر سکے کہ بسنت پہلے اُتر پردیش میں منائی گئی یا پھر پنجاب میں۔ تاہم پیلے رنگ کی مناسبت سے قرین قیاس اس تہوار کی جائے پیدائش پنجاب ہے۔ یہ تہوار جس وقت منایا جاتا تھا وہ سرسوں پھولنے کا موسم ہوتا تھا۔ پنجاب کے کھیتوں میں سرسوں کے پھول لہلہا رہے ہوتے تھے، سرسوں کے پھول پیلے رنگ کے ہوتے ہیں، تہوار منانے والے بھی کیونکہ پیلے رنگ کے کپڑے پہنتے تھے لہٰذا مؤرخین کا خیال ہے اس تہوار کا سرسوں سے گہرا تعلق ہے۔ سرسوں کا پھول موسم بہار کی آمد کا اعلان ہوتا ہے۔ پنجاب کے لوگ سرسوں پھولتے ہی اپنے مال مویشی باڑوں سے نکال کر صحنوں میں باندھنا شروع کر دیتے ہیں، بھاری لحافوں کی جگہ ہلکی رضائیاں اور گرم چادروں کی جگہ بغیر بازوؤں کے سوئٹر لے لیتے ہیں۔ کچھ

مؤرخین کا خیال ہے بسنت سردی کے اختتام اور موسمِ بہار کی آمد کا تہوار ہے، وہ اس ضمن میں ہندی کی ایک ضرب المثل بطور ثبوت پیش کرتے ہیں "بسنت، پالا اڑنت" یعنی بسنت آئی اور سردی اُڑ گئی۔ یہ تہوار پنجاب سے اُتر پردیش کیسے پہنچا اور اُتر پردیش سے پھر آگے ہندوستان کے باقی حصوں تک اس کی رسائی کیسے ہوئی؟ اس کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔ شاید اس کی بڑی وجہ یہ ہو کہ یہ تہوار ہندوستان میں کبھی قومی تقریب کی شکل اختیار نہیں کر سکا۔ یہ سچ ہے یہ ہر دور میں منایا جاتا رہا، لیکن ملک گیر سطح پر کبھی اسے پذیرائی حاصل نہ ہو سکی، اس لیے آج تک کسی نے پوری سنجیدگی سے اس کی جڑوں، اس کی اوریجن کے بارے میں تحقیق نہیں کی لیکن یہ بات طے ہے کہ ہندوستان میں اشوک کا دور ہو، بابر یا بہادر شاہ ظفر کا عہد، بسنت ہر دور میں کم اہم اور غیر مقبول تہوار رہا۔ شروع شروع میں اسے پنجاب کے کسان، اُتر پردیش کے دہقان اور مدراس کے غریب ہاری مناتے تھے۔ مغلوں نے اس کی سرپرستی شروع کی تو یہ امراء کے محلات سے باہر نہ نکل سکا۔

بسنت مذہبی تہوار کیسے بنا؟

اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ اس واقعے نے بسنت کو تاریخ میں پہلی بار ثقافتی سے مذہبی تہوار میں تبدیل کر دیا۔ اورنگزیب کے دور میں حقیقت رائے نام کے ایک لڑکے نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر رکیک حملہ کیا۔ مسلمانوں نے اسے مغلظات بکتے ہوئے پکڑ لیا، ملزم کو عدالت میں پیش کیا گیا، قاضی نے جرم ثابت ہونے پر حقیقت رائے کو سزائے موت سنا دی۔ حقیقت رائے پھانسی کی سزا پا کر ہندوؤں کا مذہبی ہیرو بن گیا، جس دن حقیقت رائے کو پھانسی دی گئی ہندوؤں نے پیلے رنگ کے کپڑے پہنے، حقیقت رائے کی لاش اٹھائی اور گاتے بجاتے ہوئے اسے شمشان گھاٹ تک لے گئے۔ مسلمانوں نے اسے توہین آمیز قرار دیا لیکن ہندوؤں نے پیلے کپڑوں اور رقص و سرور کو بسنت کہہ کر جان بچائی، اگلے سال ہندوؤں نے حقیقت رائے کی برسی منائی

اور اس برسی پر پیلے کپڑے پہن کر اور ناچ گا کر حقیقت رائے سے اپنی وابستگی اور عقیدت کا اظہار کیا۔ بعض مورخین کا خیال ہے بسنت کے تہوار پر پہلی پتنگ بھی حقیقت رائے کی سمادھی پر ہی اڑائی گئی تھی۔

پتنگ بازی کی تاریخ:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کیا ہندوستان میں اس سے پہلے پتنگ موجود تھی؟ کیا بسنت کے تہوار پر پتنگ بازی بھی ہوتی تھی؟ جہاں تک پتنگ کے وجود کا سوال ہے، ہندوستان میں پتنگ بازی کا فن صدیوں سے موجود تھا۔ یہ پتنگ کی ایجاد کا سہرہ دو اقوام لیتی ہیں چینی اور مصری۔ چینیوں کا دعویٰ ہے پہلی پتنگ ۴۰۰ سال قبل مسیح میں چین میں بنائی اور اڑائی گئی، اس کے بعد چین کی اشرافیہ اپنے اکثر تہواروں اور تقریبات میں پتنگیں اڑاتی تھی۔ شاہی خاندان پتنگ سازوں کی باقاعدہ حوصلہ افزائی کرتا تھا، اس دور میں پتنگ سازی کے ماہرین کو دربار میں عہدہ دیا جاتا تھا۔ چینیوں کے برعکس مصریوں کا دعویٰ ہے کہ پتنگ سازی فراعین کے دور میں موجود تھی، اس ضمن میں وہ اہراموں سے برآمد ہونے والی تصاویر اور بت بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ ان تصاویر میں فرعون کو پتنگیں اڑاتے دکھایا گیا تھا۔ مصریوں کا کہنا تھا یہ فن مصری جہاز رانوں یا تاجروں کے ذریعے چین پہنچا، چینی بادشاہوں نے اسے شرف قبولیت بخشا اور یوں پتنگیں چین میں رائج ہو گئیں۔ مصر میں چونکہ پتنگ بازی صرف شاہی خاندان تک محدود تھی لہٰذا اسے شاہی کھیل سمجھا جاتا تھا اور عام آدمی کو یہ کھیل کھیلنے کی اجازت نہیں تھی، چنانچہ وہاں یہ کھیل کھل کر سامنے نہ آ سکا جبکہ چین میں بادشاہوں نے اسے عام کر دیا۔ یوں پتنگ چینیوں کی ایجاد محسوس ہونے لگی، اگر ہم مصریوں کے دلائل تسلیم کر لیں تو پھر پتنگ بازی کی تاریخ ۵ ہزار سال قبل مسیح ہے لیکن یہ بات بھی حقیقت ہے کہ پتنگ چین سے ہو کر ہی برصغیر اور پھر یورپ پہنچی، برصغیر میں پتنگ بازی، پتنگ سازی اور پتنگ کو بطور صنعت قائم کرنے کا اعزاز بودھ مت کے پیروکاروں کو حاصل ہے۔

بودھ بھکشو پہلی پتنگ ہندوستان لے کر آئے، ہندوستان کے باسیوں کے لیے یہ ایک بالکل نئی اور حیران کن چیز تھی، لہٰذا یہ بڑی تیزی سے پورے ہندوستان میں رائج ہو گئی، ہندو راجوں اور مہاراجوں نے اس کی پذیرائی کی۔ اپنی نگرانی میں پتنگیں تیار کرائیں، پتنگیں اڑانے کے لیے ٹیمیں بنائیں اور پھر عوام کو یہ "میچ" دیکھنے کی دعوت دی۔

موسمی کھیل:

شروع شروع میں پتنگیں ہر موسم میں اڑائی جاتی تھیں لیکن پھر تجربے سے معلوم ہوا یہ بھی ایک موسمی کھیل ہے، یہ کھیل موسم سرما میں ہوا کی کمی، برسات میں ہوا میں موجود نمی اور موسم گرما میں تیز دھوپ اور آندھی طوفان کے باعث نہیں کھیلا جا سکتا۔ اس کے لیے مناسب ترین موسم بہار ہے، اس موسم میں کیونکہ ہوا میں نہ تو حد سے زیادہ نمی ہوتی ہے اور نہ ہی تیزی، یہ کھیل کھیلنے والے بھی موسم کی شدت سے بڑی حد تک محفوظ رہتے ہیں چنانچہ پتنگ بازی بھی موسم بہار میں شروع ہو گئی۔ اب بہار میں دو کھیل ہونے لگے ایک بسنت اور دوسری پتنگ بازی۔ گو یہ دونوں کھیل بہار میں کھیلے جاتے تھے لیکن ایک طویل عرصے تک الگ الگ رہے، پھر حقیقت رائے کا معاملہ ہوا اور تاریخ میں پہلی بار بسنت اور پتنگ ایک ہی شخص کی سمادھی پر منائی گئی اور شخص بھی وہ جس نے گستاخ رسول میں موت کی سزا پائی تھی۔

بسنت اور حضرت امیر خسرو:

بسنت کی تاریخ میں ایک اور مسلم شخصیت کا نام بھی آتا ہے وہ تھے "حضرت امیر خسرو" وہ تیرہویں صدی میں بہار کے پہلے ہفتے پیلا چوغا پہنتے اور گاتے تھے۔ وہ ایسا کیوں کرتے تھے؟ اس کے بارے میں کوئی ٹھوس دلیل نہیں ملتی، بعض مؤرخین کا خیال ہے، یہ بھی ان کی ایک مجذوبانہ ادا تھی، وہ اس ادا کے ذریعے اپنے شیخ حضرت نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کا مزید قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے، لیکن یہ بسنت وہ بسنت نہیں تھی جو ہندو

مناتے تھے اور نہ ہی اس بسنت میں پتنگ بازی شامل تھی۔

بسنت کے ''کھاتے'' میں شاہ حسین کا نام بھی آتا ہے۔ شاہ حسین ایک ہندو لڑکے مادھولعل کو بہت عزیز رکھتے تھے، مادھولعل کو پتنگیں اڑانے کا بہت شوق تھا، شاہ حسین اس کا شوق پورا کرنے کا اہتمام کرتے تھے، ان کا انتقال ہوا اور ان کا مزار مادھولعل حسین کہلایا تو ان کے زائرین نے ہر سال ان کے مزار پر دو تہوار منانے شروع کر دیے، ایک تہوار کو میلہ چراغاں کا نام دیا گیا اور دوسرے کو بسنت کہا گیا۔ میلہ چراغاں میں مزار اور اس کے گرد و نواح میں چراغ جلائے جاتے اور بسنت کے دن ڈھول پیٹے اور پتنگیں اڑائی جاتی تھیں۔ درحقیقت اس دور میں بسنت کا تہوار بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا تھا لیکن یہ بھی سچ تھا کہ یہ تہوار صرف مادھولعل حسین کے مزار اور میلے تک محدود تھا۔

قومی تہوار اور اس کی تقسیم :

بسنت کو اصل پذیرائی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور میں حاصل ہوئی، مہاراجہ نے اسے قومی تہوار کا درجہ دیا، بسنت کے دن لاہور کے شاہی قلعے سے بسنت کا ایک شاندار جلوس نکلتا، جلوس کے شرکاء نے پیلے چوغے اور پیلی پگڑیاں پہن رکھی ہوتیں، وہ ڈھول اور شہنائی کی آواز پر ناچ رہے ہوتے۔ مہاراجہ اس جلوس کی قیادت کر رہا ہوتا، یہ جلوس اس شان سے شاہی باغ پہنچتا کہ سارے راستے رعایا پیلے کپڑے پہن کر دونوں اطراف کھڑے ہوتے، جلوس پر گل پاشی کر رہے ہوتے اور مہاراجہ کے حق میں نعرے لگا رہے ہوتے، شاہی باغ پہنچ کر پتنگ بازی کا مقابلہ ہوتا، گو اس دور میں اس تہوار کو سرکاری حیثیت حاصل تھی لیکن اس عہد میں بھی پتنگ بازی صرف شالیمار باغ تک محدود تھی، راجہ رنجیت سنگھ کے بعد یہ تہوار عوامی ہو گیا۔

عوامی دور کا یہ تہوار تین حصوں میں تقسیم ہو گیا، سکھوں کی بسنت، مسلمانوں کی بسنت اور ہندوؤں کی بسنت۔ سکھ اپنی بسنت گردوارہ منگت سنگھ، ہندو حقیقت رائے کی سمادھی اور

مسلمان مادھولعل حسین کے مزار پر مناتے۔ یہ ایک محدود قسم کے تہوار ہوتے جن میں چند سو لوگ شریک ہوتے۔

جشنِ بہاراں :

انگریز آئے تو انہوں نے مقامی ثقافت کی ترویج کا فیصلہ کیا، انگریزوں کا خیال تھا، ہر وہ تہوار جو مقامی لوگوں کی اخلاقیات پر برا اثر ڈال سکتا ہے اسے سرکاری سرپرستی فراہم کی جائے، جان لارنس لاہور میں انگریز گورنر جنرل کا سیاسی نمائندہ ہوتا تھا، اسے بسنت کا تہوار ''مناسب'' دکھائی دیا، لہٰذا اس نے ۱۸۴۸ء میں پہلی بار ''جشنِ بہاراں'' منانے کا اعلان کیا، یہ بسنت کا ہفتہ بھی کہلایا، اس ہفتے لاہور میں ناچ گانے، پتنگ بازی اور شراب کا عام استعمال ہوا۔ یہ وہ ہفتہ تھا جس میں اخلاقی جرائم کو ناقابل دست اندازی پولیس قرار دے دیا گیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں اس ہفتے لاہور کے شرفاء نے گلی کوچوں میں قدم تک نہ رکھا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ گلی کوچوں میں غنڈے ان کے ساتھ بدتمیزی کریں گے جس سے ان کی عزت پر حرف آئے گا۔ ۲۰۰۲ء کو تقریباً ۱۵۴ برس بعد جنرل پرویز مشرف نے جان لارنس کی پیروی میں جشنِ بہاراں منایا جس سے یقیناً جان لارنس کی روح کو طمانیت نصیب ہوئی ہوگی اور اسے اپنے ہم ذہنوں کی کارکردگی پر خوشی ہوئی ہوگی۔

بسنت سرکاری سرپرستی میں :

لاہور میں پتنگ بازی اور بسنت منانے کی روایت پاکستان بننے سے پہلے سے موجود تھی۔ اس دور میں لاہور کا منٹو پارک (اب اقبال پارک) پتنگ بازی کے مقابلوں کے لیے مختص تھا، منٹو پارک میں پتنگوں کی تیس چالیس دکانیں تھیں، بسنت کے دنوں میں ''زندہ دلانِ'' لاہور منٹو پارک میں جمع ہوتے، پتنگ بازی کے مقابلے کرتے اور چیخ چلا کر خوشیاں مناتے، اس دور میں پتنگ بازوں کے سردار کو ''استاد'' کہا جاتا تھا ''تم بڑے استاد ہو'' کا

محاورہ انہیں دنوں پیدا ہوا، اس ''استاد'' کو لاہور میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ بعدازاں یہ عہدہ کبوتر بازوں، موٹر مکینکوں اور ڈرائیوروں نے آپس میں بانٹ لیا۔ پاکستان بننے کے بعد بسنت کا تہوار فوت ہوگیا لیکن پتنگ بازی کا سلسلہ جاری رہا، بھارت میں بھی بسنت کا تہوار زوال پذیر ہوگیا، اس کی بڑی وجہ بسنت کا غیر مذہبی تہوار ہونا تھا، ہندومت میں صرف وہ رسمیں وہ تہوار اور وہ جشن زندہ رہتے ہیں جنہیں مندر اور پروہت کی آشیرباد حاصل ہوتی ہے، بسنت کیونکہ ایک خالصۃً ثقافتی تہوار تھا، اس کا تعلق بھی مسلم اکثریتی صوبے پنجاب سے تھا لہٰذا پاکستان بننے کے بعد یہ تہوار بھارت میں جڑ نہ پکڑ سکا جبکہ پاکستان میں ابتدائی ۱۳ برس لاہور میں بسنت نام کا کوئی تہوار نہیں ہوا۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں منٹو پارک میں ایک بار پھر پتنگ بازی کے مقابلے شروع ہوگئے۔ ان مقابلوں کو کسی ستم ظریف نے ''بسنت'' کا نام دے دیا۔ یوں ایک بار پھر یہ سلسلہ شروع ہوگیا، وہاں سے پتنگ بازی کی وبا شاہدرہ، شالیمار باغ اور بادامی باغ پہنچی۔ ایوب خان کی حکومت آئی تو فوج کو عوامی توجہ ان کے اصل مسائل سے ہٹانے کی ضرورت پیش آئی لہٰذا فوجی حکومت نے بسنت قسم کے لغو اور فضول سلسلوں کی معاونت اور سرپرستی کا فیصلہ کیا۔

ایوب خان کی شکل میں فوجی اور نیم فوجی دور کو دس برس ہو چکے تھے۔ ایوب خان اور ان کے حواری کوشش کے باوجود عوام میں اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دینے میں ناکام ہو رہے تھے۔ اس وقت وزارت ثقافت نے حکومت کو ایک ایسا منصوبہ بنا کر دیا جس کے ذریعے عوام کی نفرت کا رُخ بدلا جاسکتا تھا۔ لوگوں کو تہواروں اور تقریبات میں اُلجھا کر ان کی توجہ ملک کے اصل ایشوز سے ہٹائی جاسکتی تھی، لہٰذا ۱۹۶۶ء میں پہلی بار لاہور میں شہر کی سطح پر بسنت منائی گئی۔ یہ کوشش اس کے باوجود پوری طرح کامیاب نہ ہوسکی کہ حکومت نے سرکاری سرپرستی میں چلنے والے اخبارات کو بسنت کی ترویج اور تہوار کی نشرواشاعت کے لیے خصوصی صفحات جاری کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس دور میں بین الاقوامی سطح پر ایک نئی تبدیلی آئی۔

دو دشمن طاقتیں اور اُن کے مقاصد:

ملٹی نیشنل کمپنیوں نے اپنے کاروبار کی توسیع کیلئے تیسری دنیا کا رُخ کیا۔ جب یہ کمپنیاں غریب ممالک میں آئیں تو انہوں نے محسوس کیا۔ مشرق اور مغرب کی تہذیب اور ثقافت میں بہت فرق ہے۔ اس فرق کے باعث ان کے مشروبات، ان کے لباس، ان کی طرز رہائش، ان کی بیماریاں، ان کی بیماریوں کے علاج اور ان کے تہواروں میں بہت فرق ہے۔ اب ظاہر ہے جس جگہ شکر کا شربت پیا جاتا ہو، لسی جس علاقے کا مشروب ہو وہاں کوک یا چائے کی کیا گنجائش نکلے گی؟ جس علاقے کے ۹۰ فیصد تمباکو نوش حقہ پیتے ہوں وہاں گولڈ لیف یا ولز کی مارکیٹ کہاں پیدا ہوگی؟ جہاں لوگ شلوار قمیص پہنتے اور دھوتی باندھتے ہوں اس ملک میں جینز اور جیکٹ کون خریدے گا؟ اور جس علاقے میں لوگ نزلے کا علاج جوشاندے سے کرتے ہوں وہاں اینٹی بائیوٹک کی خرید و فروخت کا کیا امکان ہوگا؟ لہٰذا ملٹی نیشنل کمپنیوں نے سوچا جب تک وہ تیسری دنیا کی ثقافت نہیں بدلیں گی ان کے کاروبار کی سرحدیں آگے نہیں پھیلیں گی۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے ۶۰ کی دہائی کے آخر میں پوری دنیا کی ثقافت میں ''مساوات'' پیدا کرنے کا عملی کام شروع کر دیا۔ اس ضمن میں چار شعبے منتخب کیے گئے:

ملٹی نیشنل کمپنیوں کے چار ہتھکنڈے:

❶ شوبز، نمبر ❷ کھیل، نمبر ❸ تین تہوار اور نمبر ❹ چار بیماری۔ اس سلسلے میں آپ **تھوڑا سا غور و فکر کریں** تو آپ ملٹی نیشنل کمپنیوں کی ساری حرکات سمجھ جائیں گے۔ مثلاً:

❶ شوبز کو لیجیے: اس مکروہ اور شیطانی کاروبار میں جتنی ترقی پچھلے تیس برسوں میں **ہوئی اتنی کسی شعبے میں** نہیں ہوئی۔ رنگین ٹیلی ویژن، انگریزی فلمیں، فحش کیسٹیں، وی سی آر، ڈی وی ڈی، ڈش اینٹنا، کیبل اور انٹرنیٹ یہ کیا ہے؟ یہ وہ بیماری ہے جس نے آرنلڈ، جینز

فونڈا، میڈونا اور مائیکل جیکسن کو پوری دنیا کا ہیرو بنا دیا۔ آج میڈونا پاکستان جیسے پسماندہ ملک میں بھی اتنی ہی مشہور ہے جتنی امریکا اور یورپ میں۔

❷ **کھیل ملٹی نیشنل کمپنیوں کا دوسرا ہتھیار ہے۔** ملٹی نیشنل کمپنیوں نے ایک سازش کے ذریعے کرکٹ، اسکواش اور ٹینس کو پوری دنیا کے کھیل بنا دیا۔ کرکٹ اس فہرست میں پہلے نمبر پر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دنیا کا وہ کھیل ہے جس میں زیادہ سے زیادہ اشتہارات کی گنجائش موجود ہے۔ مثلاً آپ باؤلر کو دیکھیے جب باؤلر اسٹارٹ لینے کے لیے لائن کی طرف جاتا ہے، اپنی پتلون پر بال رگڑتا ہے تو اس دوران ملٹی نیشنل کمپنیاں اسکرین اور ریڈیو پر اپنے اشتہارات چلاتی رہتی ہیں۔ ہر اوور اور ہر نئے کھلاڑی کی آمد کے دوران بھی اشتہارات چلائے جاتے ہیں۔ دلچسپ بات ملاحظہ کیجیے کہ کرکٹ کے کھیل میں باؤلرز کو زیادہ معاوضہ ملتا ہے۔ دنیا کے تقریباً تمام بڑے باؤلر ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ملازمین ہیں۔ یہ کمپنیاں انھیں ہر ماہ بھاری معاوضہ دیتی ہیں۔ یہ باؤلر کس چیز کا معاوضہ لیتے ہیں؟ یہ بہت دلچسپ سوال ہے۔ ان باؤلرز کو لمبے اسٹارٹ کا معاوضہ دیا جاتا ہے۔ کمپنی انھیں پابند کرتی ہے کہ وہ جب بال کرانے جائیں گے تو زیادہ دیر تک بال پتلون کے ساتھ رگڑیں گے، آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دور تک جائیں گے۔ یہ وقفہ کمپنی کے لیے بہت قیمتی ہوتا ہے کیونکہ اس وقت لاکھوں کروڑوں ناظرین کی آنکھیں اسکرین پر جمی ہوتی ہیں۔ اس لمحے کمپنی جو بھی اشتہار دکھائے گی کروڑوں لوگ وہ اشتہار دیکھنے پر مجبور ہوں گے۔ کرکٹ کے مقابلے میں ہاکی اور فٹ بال جیسے کھیل تیسری دنیا میں اس لیے نہ پنپ سکے کہ یہ مسلسل کھیل ہوتے ہیں۔ ان میں اگر کوئی کھلاڑی بال لے کر بھاگتا ہے تو ٹیلی ویژن کیمرہ اسے مسلسل دکھانے پر مجبور ہے، لہٰذا اس میں سے اشتہار کی گنجائش نکالنا تقریباً ناممکن ہے۔

❸ **تہوار ملٹی نیشنل کمپنیوں کا تیسرا بڑا ہتھکنڈا تھے۔** ان کمپنیوں نے ایک مکمل سازش کے ذریعے **نیو ایئر نائٹ، ویلنٹائن ڈے** اور کرسمس جیسے تہواروں کو پوری دنیا کے تہوار

بنا دیا۔ اب ذرا خود دیکھیے! اس وقت نیو ایئر نائٹ پوری دنیا میں منائی جاتی ہے۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو ملینیم نائٹ منائی گئی۔ اس رات صرف امریکا میں ۱۷ء۶ ارب ڈالر کی شراب پی گئی۔ اس شراب کا فائدہ کس نے اُٹھایا؟ شراب بنانے والی کمپنیوں نے۔ ان کمپنیوں نے تین سال پہلے ہی سے ملینیم نائٹ کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا تھا۔ میڈیا کو پیسے کھلا کر پوری دنیا کو ملینیم نائٹ کے بخار میں مبتلا کر دیا گیا یہاں تک کہ پاکستان کے وہ لوگ جن کے پاس چارپائی تک نہیں تھی وہ بھی نئی صدی کے استقبال کے لیے ۳۱ دسمبر بارہ بجے سڑکوں پر کھڑے تھے۔ یہی صورتحال ویلنٹائن ڈے کی ہے۔ اس ملک کی آبادی کا زیادہ تر حصہ ''ویلنٹائن'' کے تلفظ تک سے واقف نہیں لیکن وہ پھول اُٹھا کر پھر رہا ہے۔

اب آتے ہیں بسنت کی طرف۔ یہ ایک مقامی تہوار تھا جو **مقامی سطح پر منایا جاتا تھا۔** ۸۰ء کی دہائی کے آخر میں ملٹی نیشنل کمپنیوں نے محسوس کیا اگر اس **تہوار کی پشت پناہی** کی جائے تو یہ تہوار منافع بخش کاروبار بن سکتا ہے، چنانچہ لاہور میں ایسے **لوگ تلاش** کیے گئے جو اس سلسلے میں ملٹی نیشنل کمپنیوں کی مدد کر سکتے ہیں۔ ایسے لوگ تلاش کر لیے گئے۔ یورپی ممالک نے اپنے سفارتکاروں کو بسنت کے تہوار میں شریک ہونے کی ہدایت کی۔ وہ سفارتکار جو سفارتخانے سے نکلنے کے لیے حکومت سے حفاظت کی سو سو گارنٹیاں مانگتے ہیں۔ وہ اندرون لاہور دو دو دن بسنت مناتے دیکھے گئے۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے بسنت کو اسپانسر کیا۔ میڈیا نے اسے کوریج دی۔ کوک، چائے اور ٹوتھ پیسٹ بنانے والوں نے اشتہار دیے، بسنت کے گانے ریکارڈ ہوئے اور پتنگیں اُڑاتے اداکار ٹیلی ویژن اسکرین پر دکھائے جانے لگے۔ یوں دو تین برسوں میں بسنت قومی تہوار بن گئی۔ پرویز مشرف کی حکومت آئی تو حکومت نے اس ناجائز بچے کو اپنا نام دے دیا۔ ''جشنِ بہار'' کی شکل میں بسنت سرکاری تہوار ہو گیا۔

❹ **بیماریاں اور ادویات** ملٹی نیشنل کمپنیوں کا چوتھا ذریعہ ہیں۔ آپ ذرا سوچیں ایڈز، ہیپاٹائٹس اور امراض قلب اس خطے کی بیماریاں ہیں؟ نہیں! یہ یورپی امراض تھے۔ ملٹی

نیشنل کمپنیوں نے خوراک کے ذریعے یہ امراض اس خطے میں پیدا کیے اور آج تیسری دنیا کے کروڑوں اربوں لوگ قلب، جگر اور جنس کی اربوں ڈالر کی دوائیں کھا رہے ہیں۔

بسنت کا فائدہ دو طاقتوں نے اٹھایا:

آیئے! اب یہ سوچتے ہیں بسنت کا سب سے زیادہ فائدہ کس کو پہنچ رہا ہے۔ بسنت کا فائدہ دو طاقتیں اُٹھا رہی ہیں: ملٹی نیشنل کمپنیاں جو اس تہوار کے ذریعے اپنی مصنوعات کے اشتہارات دیتی ہیں اور ہمارا دُشمن بھارت جو ہر سال پاکستان میں کروڑوں اربوں کا سامان بیچتا ہے۔ دلچسپ حقیقت دیکھیے! جب لاہور اور پھر پورے پاکستان میں بسنت کو پذیرائی ملی تو امرتسر، ہریانہ اور دہلی بسنت کے ساز و سامان کی منڈی بن گئے۔ پاکستان ہر سال بھارت سے کروڑوں روپے کی ڈور اور پتنگیں اور ان کے بنانے کا ساز و سامان درآمد کرتا ہے جو ظاہر ہے دُشمن کی معیشت کو فائدہ پہنچانے کے مترادف ہے۔ بسنت کے سلسلے میں بھارت کے اندر دو سیاسی فلسفے پائے جاتے ہیں: کانگریس بسنت کو برصغیر کا قومی تہوار سمجھتی ہے جبکہ شیوسینا اسے سکھوں کا تہوار کہتی ہے۔ ہم پاکستان میں یہ تہوار منا کر کانگریس کے فلسفے کو طاقت فراہم کر رہے ہیں۔ کانگریس کا یہ نعرہ تھا: ہندو اور مسلمان کی ثقافت، زبان اور تہوار ایک ہیں، لہٰذا یہ دو قومیں نہیں ہیں، جبکہ مسلمانوں کا کہنا تھا ہماری ثقافت، تہذیب، زبان اور تہوار ہندوؤں سے مختلف ہیں لہٰذا ہم الگ قوم ہیں۔ یہ فلسفہ نظریہ پاکستان کہلاتا ہے۔ ہم پاکستان میں بسنت منا کر نظریہ پاکستان کی توہین کر رہے ہیں۔ ہم ثابت کر رہے ہیں کہ کانگریس کے عمائدین ٹھیک سوچ رہے تھے۔ وہ درست کہتے تھے کہ ہم بسنت پر پیلے کپڑے پہنتے ہیں، ڈھول کی تھاپ پر ناچتے ہیں، عورتیں اور مرد اکٹھے گاتے اور کھاتے پیتے ہیں۔ یہ سب ہندوانہ تہذیب کے آثار ہیں۔ ہم اس کے ذریعے سرحد پار یہ پیغام دے رہے ہیں ''ہم صرف نام کے مسلمان اور پاکستانی ہیں''۔ تہذیب، شائستگی اور اخلاقیات بھی اس تہوار کی اجازت نہیں دیتی۔ ہلا گلا، شور شرابہ، ناچ گانا، تانک جھانک اور اسراف کی دنیا

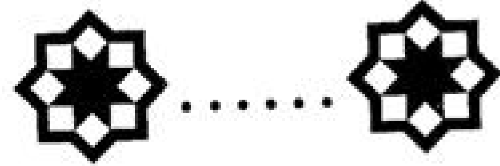
کی کوئی تہذیب اجازت نہیں دیتی۔ یہ کیا تفریح ہے جو جاتے جاتے بیسیوں جانیں ساتھ لے جاتی ہے، جس میں ایک رات میں کروڑوں روپے کی بجلی ضائع کر دی جاتی ہے اور فحاشی اور عریانی کو جس کا حصہ بنایا جا رہا ہے؟

بسنت کی شہرت کیسے ہوئی؟

بسنت کا تہوار لاہور سے کیسے نکلا؟ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ کم دلچسپ نہیں۔ اس کا سہرا طالب علموں کے سر ہے۔ لاہور کو کالجوں کا شہر بھی کہا جاتا ہے۔ اس شہر کے تعلیمی ادارے ملک اور بیرون ملک مشہور ہیں۔ پورے ملک سے طالب علم ان میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ طالب علم لاہور میں بسنت دیکھتے رہے، تعلیم کے بعد جب یہ لوگ اپنے آبائی شہروں کو لوٹے یا پھر ملازمتوں کے سلسلے میں دوسرے شہروں میں گئے تو بسنت بھی ساتھ لے گئے، یوں دوسرے شہروں میں بھی آہستہ آہستہ یہ گندا کھیل کھیلا جانے لگا۔ بسنت کس نے پھیلائی؟ یہ عوام کی زندگیوں کا حصہ کیسے بنی؟ یہ اس خطے کا تہوار ہے یا نہیں؟ پاکستان اور پنجاب بسنت کے رنگوں میں کب رنگین ہوئے؟ یہ تمام سوال اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں۔ بسنت کی زندگی میں ملٹی نیشنل کمپنیوں، بیرونی طاقتوں اور عالمی ایجنسیوں کا کیا کردار ہے؟ یہ سوال بھی اپنی جگہ کم اہم نہیں لیکن یہ حقیقت بھی اٹل ہے جب تک حکومت کی سرپرستی حاصل نہ ہو کوئی جرم پورے معاشرے کو لپیٹ میں نہیں لیتا، کوئی گناہ پوری قوم کا گناہ نہیں بنتا اور کوئی رسم، ثقافت کا کوئی جز و تہذیب کا حصہ نہیں بنتی۔ بسنت ایک قدیم تہوار تھا لیکن اس کو جدت اور زندگی ہماری موجودہ حکومت نے فراہم کی۔ خود سوچیے! جن خرافات کے لیے ۸ فروری ۲۰۰۳ء کو ۲۲۵ وی وی آئی پی اور ایک ہزار ےسو وی آئی پی شخصیات سمیت ۳ ہزار اہم لوگ لاہور میں ہوں ان خرافات کو تہوار بننے سے کون روک سکتا ہے؟ اس رسم کو تہذیب کا حصہ بننے سے کون باز رکھ سکتا ہے؟

بسنت کے مضر اثرات :

بسنت کے ذریعے ہماری ثقافت تباہ ہوئی۔ ہمارا معاشرہ افراتفری اور جنسی بے راہ روی کا شکار ہوا۔ ہماری نوجوان نسل گمراہ ہوئی۔ ہم نے تفریح کے نام پر پورے معاشرے کو نفسیاتی بیماری کے حوالے کر دیا اور ہم نے اپنی معیشت، اپنا قومی وقار گروی رکھ دیا۔ ان تمام جرائم کے چھینٹے حکومت کے گریبان پر ہیں۔ اس کا ایک ہی مجرم ہے اور اس مجرم کا نام ''حکومت'' ہے۔



دو قومی نظریے کی موت

قاری منصور احمد

عبرت آموز واقعہ :

کٹے ہوئے گلے سے خون کا دھارا تیزی سے بہہ رہا تھا، حواس باختہ باپ کے کپڑے اور ہاتھ بھی خون سے لت پت تھے۔ پہلی نظر میں یونہی لگتا تھا کہ باپ نے بیٹے کا گلا خود ہی کاٹا ہے۔ ہسپتال پہنچتے تک کافی خون بہہ چکا تھا۔ باپ کی منت سماجت نے ایمرجنسی وارڈ میں فلمی صفحے میں مگن ڈاکٹر کو متوجہ کیا تو ڈاکٹر نے معمول کی کارروائی کے مطابق اشارے سے بچے کو بیڈ پر لٹانے کا حکم صادر فرمایا۔ بڑے اطمینان سے تشریف لائے، اسٹیتھو اسکوپ سے سینہ اور ہاتھ سے نبض ٹٹولی اور مایوسی سے گردن ہلا دی۔ عملے نے باپ کو تھانے جانے کا مشورہ دیا لیکن غمزدہ اور سیانے باپ نے گھر کی راہ لی کہ بچہ اگر وقت پر اسکول نہیں پہنچ سکا تو قبرستان تو وقت پر پہنچ جائے۔ اسکول سے واپسی کا وقت ہو چلا تھا کہ باپ خون میں لتھڑے بیٹے کے ساتھ گھر پہنچا، ماں دیر تک سکتے کی حالت میں بچے کو دیکھتی رہی پھر دھڑام سے گر پڑی۔ اڑوس پڑوس سے جلد ہی ایک ہجوم جمع ہو گیا۔

کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟ کب ہوا؟

باپ تو بے ہوش ماں کو ہوش میں لانے کی فکر میں تھا، اس لیے تصویر کے لیے آنے والے نامہ نگار نے تفصیل بتائی کہ بچہ باپ کے آگے موٹر سائیکل پر سوار تھا۔ پتنگ کی تنی ہوئی ڈور عین گلے پر آ ٹھہری۔ موٹر سائیکل کی رفتار نے اسے چھری بنا دیا۔ بریک لگنے تک بھل بھل کرتا گرم خون زمین تک پہنچ چکا تھا۔ تفصیل اختتام کو پہنچی تو محلے میں ''بو کاٹا'' کا شور

ابھرا۔ بھونپو بجے اور تھوڑی دیر میں ایک کٹی ہوئی پتنگ اسی صحن میں آ گری جہاں اس سے پہلے بھی ایک پتنگ کٹی ہوئی پڑی تھی۔

دوسرا واقعہ :

اب آیئے! ایک اور منظر دیکھتے ہیں:

بجلی کے تار چھت سے دو تین فٹ کے فاصلے پر ہوں گے۔ منڈیر پر کھڑے دو بچے تاروں میں اٹکی پتنگ کے حصول کی ترکیب لڑا رہے تھے۔ ایک نے منڈیر سے آگے جھک کر ہاتھ بڑھایا، ناکامی پر دونوں نے مشورہ کیا۔ چھوٹے نے ٹانگیں پکڑیں۔ بڑا کچھ آگے بڑھ کر منڈیر پہ لٹک گیا۔ بڑھا ہوا ہاتھ پتنگ کی بجائے ننگے تار پر پڑا۔ روشنی کا ایک جھماکا اور پھر گوشت جلنے کی بو، چھوٹا جھٹکے سے گرا اور پھر اُٹھ کر تیزی سے نیچے بھاگا۔ جتنی دیر میں گھر والے اوپر پہنچے، تاروں میں جھولتا بچہ کباب بن چکا تھا۔

یہ واقعہ جاوہ موڑ جہلم کا ہے اور میرا چشم دید ہے جب کہ پہلا پاکستان کے دل زندہ دلان لاہور کی ''زندہ دلی'' کا شاہکار ہے۔ اگلے دن کے اخبارات میں ان دو خبروں کے ساتھ اور بھی دو خبریں تھیں۔ ایک میں گورنر پنجاب کا ارشاد تھا اور دوسری میں بال ٹھاکرے کا۔

گورنر پنجاب اور بال ٹھاکرے کے بیان پر تبصرہ :

''بسنت منانے میں کوئی حرج نہیں'' ارشاد گورنر تھا اور ''بسنت مناتے ہوئے مارے جانے والے شہید ہیں۔'' ہندوستان کے متعصب اور مسلم دشمنی میں انتہا پسند ہندو لیڈر کا طنز تھا۔

کوئی حرج نہ ہونے کی وجہ سے آنے والے دنوں میں یہ ''شوقِ شہادت'' فزوں تر ہوتا گیا۔ پھر خبریں مسلسل آنے لگیں۔ بجلی کے بار بار بند ہونے کی۔ بیسیوں کے مرنے اور سینکڑوں کے زخمی ہونے کی۔ فائرنگ کی۔ پرشور گانوں کی۔ زرد کپڑوں میں ملبوس لڑکوں اور لڑکیوں کے اجتماعی رقص کی۔ غیر مسلم سفیروں کے ساتھ جوان لڑکیوں کے کندھے سے

کندھا ملا کر بوکاٹا کرنے کی۔ ہلے گلے کی۔ جام لنڈھانے کی۔

آخر اس سب کچھ میں حرج ہی کیا ہے؟ اس سے تو ثقافت پروان چڑھتی ہے۔ معیشت مضبوط ہوتی ہے۔ ہمسایہ ملکوں کے تعلقات میں فروغ ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ گھٹن دور ہوتی ہے۔ مولوی تو ایسے ہی تفریح سے روکتے رہتے ہیں، رجعت پسند ہیں، جدید تقاضوں سے بے خبر ہیں۔ جنریشن گیپ کو نہیں سمجھتے۔ بسم اللہ کے گنبد میں بند ہیں۔ آخر تھوڑی سی تفریح میں کیا حرج ہے؟

اب جب کہ بال ٹھاکرے جو ایک بڑے ملک کا بڑا لیڈر ہے، اس کی تائید بھی سامنے آ چکی ہے، اس کے بعد کسی اور کے فرمودات کی کیا حیثیت ہے؟ اس نے تو ایک اور بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ اگر ہم تقسیم سے پہلے بھی اسی جوش و خروش سے بسنت مناتے تو پاکستان بنانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ بلکہ مزید تھوڑی سی ہم آہنگی پیدا کر لی جائے تو پھر بہت سی چیزوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ مثلاً ۷ لاکھ فوج رکھنے کی، ایٹم بم بنانے کی، ۲۷ فیصد دفاع پر خرچ کرنے کی، الگ ملک بنانے کی، کشمیر میں بندے مروانے کی۔

اور اگر طرز زندگی میں تھوڑی سے تبدیلی کر لی جائے تو محبت اور دولت کے دھارے دونوں ملکوں میں بہنے لگیں گے۔ اگر عید کے ساتھ ہولی اور دیوالی منا لی جائے، مقبوضہ کشمیر ہندوستان کے پاس ہی رہنے دیا جائے بلکہ خیر سگالی کے طور پر تھوڑا سا گلگت بھی دے دیا جائے، بہار کے آغاز پر بسنت منانے کا دائرہ ذرا وسیع کر لیا جائے اور اس خوشی کے موقع پر پچاس ساٹھ شہید بھی برداشت کر لیے جائیں۔ دونوں ممالک کی سرحدیں کھول دی جائیں، ثقافتی وفود کا تبادلہ ہو ''پاک سرزمین شاد باد'' کے ساتھ ساتھ ''سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا'' بھی شامل کر لیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟

اگر غور کریں تو واقعی کوئی حرج نہیں، سوائے اس کے کہ پھر پاکستان کا جواز ختم ہو جائے گا اور دو قومی نظریہ اپنی موت آپ مر جائے گا۔

زندہ دلوں کے شہر میں

مولانا محمد اسلم شیخوپوری

آج بروز جمعہ ۶ فروری شیخوپورہ شہر میں چند مذہبی پروگراموں میں شرکت کے لیے یہ ناچیز لاہور پہنچا ہے۔ سڑکوں پر عام معمول سے زیادہ اژدہام ہے۔ ٹریفک رینگ رہا ہے۔ ڈرائیور نے بتایا: آج شام بسنت میلہ کا افتتاح ہو رہا ہے۔ دکانوں پر انواع و اقسام کی پتنگیں آویزاں ہیں۔ بعض کمپنیوں اور اخبارات نے اپنے نام کی پتنگیں بنوا کر مفت بھی تقسیم کر رکھی ہیں۔ کارپوریشن کا عملہ مخصوص علاقوں کی سڑکیں دھونے میں مصروف ہے۔ ضلعی حکومتوں کی جانب سے شاہراہوں کو بینروں، قمقموں اور پھولوں سے سجایا گیا ہے۔ جہازی سائز کی پتنگیں بڑے بڑے چوراہوں پر نصب کی گئی ہیں۔ بجلی کے کھمبوں کے ساتھ برقی پتنگیں لگائی گئی ہیں۔ کنکشن مفت دیے گئے ہیں۔ رات کو جب یہ روشن ہوں گی تو آگے پیچھے، اوپر نیچے، دائیں بائیں ہر طرف بسنت کا راج ہوگا۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے تشہیری مہم میں سب سے زیادہ حصہ لیا ہے۔ اشتہارات میں بسنت کی خوشیاں منانے، موج اُڑانے، مستی مچانے اور ہلا گلا کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ پورے ملک بلکہ یورپ تک سے ''یکسانیت اور بوریت'' سے تنگ آئے ہوئے لوگ اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے سر کے بل آ رہے ہیں۔ (یہ بھی اپنے اپنے نصیب کی بات ہے کسی نے حج کی دعوت پر لبیک کہا اور کسی نے بسنت کی دعوت پر، کسی نے روحانیت کی پکار پر اور کسی نے مادیت اور معصیت کی صدا پر) ریلوے اسٹیشن، بس اڈا اور ایئرپورٹ ہر جگہ رش ہے۔ وفاقی وزراء، ارکانِ پارلیمنٹ، صوبائی وزراء، صوبائی اسمبلیوں کے ارکان اور مختلف سرکاری اور غیر سرکاری

محکموں اور کمپنیوں سے وابستہ ہزاروں اہم شخصیات لاہور پہنچ رہی ہیں۔ پاک سرزمین کے کونے کونے سے مشہور گویے اور رقاصائیں لاہور کا رُخ کر رہی ہیں۔ غیر ملکی سفراء بھی مدعو ہیں، ان کی موجودگی میں ناچ گا کر، اربوں روپے اُڑا کر، ٹانگیں تڑوا کر، گردنیں کٹوا کر، چلتے بستے گھر اُجاڑ کر زندہ دلی کے ثبوت پیش کیے جائیں گے۔ آخر کیوں نہ ہو کہ یہ ''زندہ دلوں کا شہر'' ہے۔

آج اور آج کے بعد چند روز تک سرکاری سرپرستی میں ہندوانہ تہوار کا ہنگامہ عروج پر ہوگا۔ ناؤ نوش کی محفلیں ہوں گی، عورتیں بسنتی دوپٹے اور مرد بسنتی رنگ کے اسکارف گلے میں ڈال لیں گے۔ پتنگیں لوٹنے والے لمبے لمبے بانس ہاتھوں میں لیے ہر روڈ اور ہر بازار میں غول در غول اک جنون کی سی کیفیت میں بھاگتے دوڑتے دکھائی دیں گے۔ ہوٹلوں، گھروں اور مشہور عمارتوں کی چھتوں پر سرچ لائٹیں لگا کر رات کے اندھیرے کو دن کے اُجالے میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ اندر تاریکی اور باہر روشنی ہوگی۔ ڈھول ڈھمکا ہوگا، ''بوکاٹا'' کا شور ہوگا۔ جدید ترین تراش خراش کے لباس میں عریانیت ہوگی جو مستور تھی وہ مکشوف ہوگی، جو نہاں تھی وہ عیاں ہوگی، جو زینتِ کاشانہ تھی وہ زیب ے خانہ ہوگی، جو باکمال تھی وہ پامال ہوگی، جو نورِ چشم تھی وہ داستانِ ستم ہوگی۔ عیاشی اور بدتمیزی کا ایسا طوفان اُٹھے گا جو ماں، بہن اور بیٹی کا تقدس خس و خاشاک کی طرح بہالے جائے گا۔ بہن اور بیٹی کے کامیاب پیچ لڑانے پر بھائی اور والدین تالیاں بجا کر داد دیں گے۔ جسم زمین پر رہ جائیں گے اور حیا فضا میں اُڑ جائے گی۔ ہائے اللہ! ''زندہ دلوں کے شہر میں'' آج کیا کچھ ہوگا۔

البیرونی نے لکھا: ''عید بسنت، بیساکھ میں منائی جاتی ہے، اس مہینے میں استواءِ ربیعی ہوتا ہے، جس کا نام بسنت ہے، حساب سے (جوتش اور علمِ نجوم کے ذریعے) اس وقت کا پتا لگا کر اس دن عید کرتے اور برہمنوں کو کھلاتے ہیں۔''

کسی نے کہا: دنیا کے سارے ہی بت پرست موسمِ بہار یا بسنت رت کے آنے پر

جشن مناتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ بہار کی آمد میں دیوتاؤں کی مہربانی کارفرما ہے۔ بہار کی دیوی کو مصر میں آئس، شام و عراق میں عشار، یونان میں وینس، ایران میں ناہید، روم میں اسیرس، چین میں شیس، ہند میں دُرگا اور عرب میں زہرہ کہا جاتا تھا اور اسے خوش کرنے کے لیے مختلف نذرانے پیش کیے جاتے تھے۔ سب سے قیمتی نذرانہ تو انسانی جان ہے، چنانچہ بہار کی دیوی کو خوش کرنے کے لیے انسان ذبح کیے جانے لگے۔ انڈیا میں اب بھی دُرگا دیوی کو خون دیا جاتا ہے...... زندہ دلانِ لاہور نے بھی نوجوانوں اور چھ سو سے زائد زخمیوں کا نذرانہ پیش کر دیا ہے۔

انسانی اقدار کی پامالی:

محققین بسنت کے تہوار کو ایک ہندو ا کے ''حقیقت رائے'' کی یادگار بتاتے ہیں جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اس غلیظ رسم کا تعلق کسی گستاخ رسول سے ہو یا گستاخ خدا سے، وہ تو بس یہ جانتے ہیں کہ یہ زندہ دلی کا ایک بہانہ اور آزادروی کا ہاتھ لگا موقع ہے۔ ناچیز حیران ہے کہ گستاخ رسول کو جہنم رسید کرنے والے غازی علم الدین شہید لاہوری کو زندہ دل کہے یا ایک دشنام طراز کی بدبودار یادوں کا تعفن اُٹھانے والے پتنگ باز ''لاہوریوں'' کو۔ جب عقلیں مسخ ہو جائیں، معدہ روح پر غالب آ جائے، نفسانی خواہشیں انسانی قدروں کو پامال کر دیں، شہوتوں کی بندگی ہونے لگے، سفلی مقاصد اور کھیل کود کو مقصدِ زندگی بنا لیا جائے، انسان خود ہی اپنی تباہی و بربادی پر کمربستہ ہو جائے تو پھر حلال اور حرام کے پیمانے ٹوٹ جاتے ہیں، جائز اور ناجائز کی تمیز اُٹھ جاتی ہے۔ سمجھانے والوں سے چڑ ہو جاتی ہے، ان کی دردمندانہ التجا، بے وقت کی راگنی معلوم ہوتی ہے۔ حرمتِ رسول کا واسطہ دینے میں ذاتی مفاد اور دقیانوسیت کی جھلک دکھائی دیتی ہے لیکن ظالم حکمرانوں کے لیے یہ ماحول اور یہ اندازِ فکر بڑا ساز گار ہوتا ہے، وہ اس لحۂ مطلوب کے منتظر رہتے ہیں جب ان کی رعایا کھیل کود اور رقص و سرود میں مست ہو کر اپنے حقوق سے غافل ہو جائے اور وہ

اپنے ظالم حکمرانوں کی بے ہودگیوں اور شاہ خرچیوں پر اعتراض کرنا چھوڑ دے۔ روم و یونان کی قدیم تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیں وہاں کے ڈکٹیٹروں نے بھی عوام کو ان کے جائز معاشی، سیاسی اور سماجی حقوق سے محروم رکھنے کے لیے یہی روش اختیار کی تھی اور بالآخر انہی فضولیات اور لغویات میں انہماک کی وجہ سے وہاں تباہی نازل ہوئی۔ میرے ملکِ عزیز کے گبھرو نوجوانوں کو بھی انہی فضولیات میں لگا دیا گیا ہے۔ بسنت کا میلہ ختم ہونے نہیں پایا کہ میڈیا کے ذریعہ ''ویلنٹائن ڈے'' کا شور برپا کر دیا گیا ہے۔ بتایا جائے گا کہ ساری دنیا میں محبت کا یہ دن منایا جا رہا ہے۔ آخر پاکستانی ہی پیچھے کیوں رہ جائیں اور ان دونوں میلوں کے ساتھ ساتھ کرکٹ میلہ بھی کئی ہفتوں تک ذہنوں پر سوار رہے گا۔ رہی یادِ خلیل علیہ السلام تو ایک عدد نمائشی بکرا یا دکھاوے کی موٹی تازہ گائے، دنیا والوں کا منہ بند ہی نہیں کر دے گی، بہت سوں کو احساسِ کمتری کا بھی شکار کر دے گی۔

درسِ عبرت:

لاہور سے شیخوپورہ تک سڑک کے سفر میں گنہگار آنکھوں نے جگہ جگہ حقیقت رائے کی سمادھی پر پھول چڑھتے دیکھے۔ کیا شہر اور کیا گاؤں ہر جگہ پتنگ بازی ہو رہی تھی، گستاخ رسول کے غلیظ خون سے اُڑنے والے چھینٹے مسلمانوں سے خوب انتقام لے رہے تھے۔ حقیقت نہ سہی، صورت اور مشابہت تو تھی اور کون نہیں جانتا کہ اس راہ میں مشابہت بھی گناہِ کبیرہ سے کم نہیں۔ اتوار کا اخبار دیکھا تو صرف لاہور شہر کی ایک بسنتی رات میں نو ہلاکتوں اور چھ سو زخمیوں کی خبر تھی۔ خبریں تو اور بھی تھیں۔ بھارت سے پاکستانی سفیر کی ملک بدری کی خبر، برادر مسلم ملک عراق پر امریکا کی چڑھائی کا وقت قریب تر آ جانے کی خبر لیکن ''زندہ دلوں'' کے پاس ان خبروں پر غور کرنے یا ان سے عبرت حاصل کرنے کا وقت کہاں؟ وہ بسنت کے پُرتعیش شب و روز میں کوئی المناک خبر سننے یا اس سے متاثر ہونے کے روادار نہیں۔ آسمان کی وسعتیں ان کی پتنگوں سے اَٹی پڑی تھیں۔ وہ اس وقت بہت اونچا اُڑ رہے

تھے۔ اتنا اونچا کہ جہاں بینائی کھو جاتی ہے، شعور گم ہو جاتا ہے، عقل کند ہو جاتی ہے، بصیرت جواب دے جاتی ہے، غیرت مرجاتی ہے اور انسان ظلمت کو ضیاء، صرصر کو صبا، طوطا چشمی کو وفا اور مردہ دلی کو زندہ دلی کی عطا سمجھنے لگتا ہے۔

کیا ہر تفریح جائز ہے؟

مولانا محمد اسلم شیخوپوری

ایک سوال اٹھا ہے اور پورے زور و شور سے اٹھا ہے، ایسے حلقوں میں بھی اٹھا ہے جہاں اس قسم کے سوالات اٹھانے کا رواج ہی نہیں۔ اس سوال کو اٹھانے میں چند اہل دل کا درد دل شامل ہے۔ وہ قومی سرمایہ کے ضیاع، جانوں کی ہلاکت، دشمنان اسلام کی نقالی اور شعائر اسلام کی توہین و تحقیر برداشت نہیں کر سکتے۔ انہوں نے ہوا کا رُخ دیکھ کر جان لیا کہ اگر اس طوفان بدتمیزی کے سامنے بند نہ باندھا گیا تو یہ طوفان پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا، پھر چند دیوانے ہی نہیں ڈوبیں گے بلکہ لب ساحل پر بیٹھ کر تماشا دیکھنے والوں کو بھی غرقابی سے کوئی نہیں بچا سکے گا، اگرچہ ہوا تند و تیز تھی لیکن دل والوں نے شب دیجور میں چراغ جلا کر رکھ دیا ہے تاکہ "جسے مرنا ہے وہ اتمام حجت کے بعد مرے اور جسے زندہ رہنا ہے وہ بھی اتمام حجت کے بعد زندہ رہے۔" انہوں نے منبر و محراب سے صحافت اور اشاعت کے بلند مینار سے آوازِ حق بلند کی ہے، مردہ دلوں کو جھنجوڑا ہے، تاریخی اور مستند حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ تم جشن بہاراں کے نام پر جو کچھ کر رہے ہو یہ آوارگی ہے، بدتہذیبی ہے، گستاخانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت ہے، اسراف ہے، سودی قرضوں کے بوجھ تلے سسکتی اور غربت اور گرانی کے جبڑوں میں جکڑی ہوئی قوم کے ساتھ بھونڈا مذاق ہے۔ بات دل سے اٹھی تھی، اس میں اٹھانے والوں کا کوئی مفاد، کوئی غرض شامل نہ تھی، نہ وہ شہرت کے خواہاں تھے، نہ لیڈری چمکانا چاہتے تھے اس لیے ان کی آواز بے اثر نہیں رہی۔ کچھ لوگ متاثر ہوئے ہیں، چند پیشانیوں پر عرقِ ندامت کے موتی چمکے ہیں، چند گنگ

زبانیں کھلی ہیں اور انہوں نے بسنت کی غلاظت کو تفریح کے خوشنما پردے میں چھپانے والوں سے سوال کیا ہے کہ کیا ہر تفریح جائز ہے؟

مگر یہ سوال تو صرف ان لوگوں سے کیا جا سکتا ہے جن کا ضمیر زندہ ہے، جنہوں نے دنیاداری کے بکھیڑوں کے باوجود اسلامی تعلیمات سے اپنا تعلق ٹوٹنے نہیں دیا، جو معیشت یا معاشرت، کھیل یا ثقافت کسی میدان میں قدم رکھنے سے پہلے ایک نظر کتاب وسنت پر ضرور ڈال لیتے ہیں، جن کے لیے سب سے زیادہ اہمیت شکم پروری اور شہوت پرستی کو حاصل نہیں۔ البتہ جو لوگ ثقافت اور کثافت، طہارت اور غلاظت، تفریح اور شہوت میں تفریق کے قائل نہیں اور جنہوں نے اپنی خواہشات ہی کو شریعت قرار دے رکھا ہے ان کی نظر میں اس سوال کی کوئی اہمیت نہیں کیونکہ ان کے خیال میں جائز اور ناجائز کا سوال دقیانوسیت ہے، قدامت پرستی ہے، ملائیت ہے اور ملّا جو بھی کہے وہ غلط ہے، تنگ نظری ہے۔ یہ حضرات تفریح کہتے ہیں آپے سے باہر ہو جانے کو، حدود وقیود کو توڑ دینے اور فلک شگاف قہقہے بلند کرنے کو، خواہ یہ قہقہے کسی تڑپتی ہوئی لاش پر بلند ہوں یا جلتے ہوئے گھر پر، کسی عفیفہ کی تار تار چادر پر ہوں یا کسی پسر گم کردہ ماں کی آہ وزاری پر۔ جب تمدن اپنے حدود سے تجاوز کر جاتا ہے اور جب اس کے پہلو میں انسان کے دل کی بجائے بھیڑیے اور چیتے کا دل پیدا ہو جاتا ہے تو پھر انسانی حقوق، مذہبی روایات اور اخلاقی تقاضوں کی اہمیت باقی نہیں رہتی نفس امارہ کی لامحدود خواہشوں ہی کو اصل اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔

''تاریخ اخلاق یورپ'' اٹھا کر دیکھیے بازنطیوں کے ہاں سب سے زیادہ مقبول کھیل سیانی تھا جس میں انسان کو جانوروں سے لڑنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ اسٹیڈیم میں اسی اسی ہزار افراد کا پُر جوش مجمع ہوتا تھا، امراء و اعیان دولت کی زرق برق پوشاکیں نظروں کو خیرہ کر رہی ہوتیں۔ اس مجمع کے لیے سب سے زیادہ دلچسپ، فرحت افزا اور مست کر دینے والا نظارہ وہ ہوتا تھا جب ہزیمت خوردہ زخموں سے چور ہو کر جان کنی کی تکلیف میں مبتلا ہوتا اور

موت کے کرب میں آخری ہچکی لیتا۔ اس وقت ۸۰ ہزار زبانوں سے یکبارگی صدائے تحسین بلند ہوتی، اس آواز سے شہر کیا معنی، مضافات شہر تک گونج اٹھتے، اس وقت روما کے خوش باش اور زندہ دل تماشائی اس خوش کن منظر کو دیکھنے کے لیے ایک دوسرے پر گرے پڑتے اور پولیس کو بھی ان کو کنٹرول میں رکھنا ممکن نہ ہوتا۔ جب خونخوار تفریحات حد سے بڑھ گئیں تو انہیں روکنے کے لیے احکام جاری کیے گئے لیکن سیلاب اتنا پُر زور تھا کہ کوئی آرڈیننس اور کوئی بند اسے روک نہ سکا کیونکہ اس کھیل کے طرفدار اسے ظالمانہ عمل نہیں بلکہ تفریح سمجھتے تھے اور تفریح سے دستبردار ہونے کے لیے وہ کسی طور پر آمادہ نہ تھے۔ آپ بازنطیوں کو چھوڑیے اپنے پتنگ باز مسلمان بھائیوں ہی کو لے لیجیے، انہیں سمجھانے والے انداز بدل بدل کر سمجھا رہے ہیں کہ بسنت اور پتنگ بازی صرف ایک گناہ کی حد تک نہیں رہا بلکہ کئی گناہوں کا مجموعہ بن چکا ہے، یہ ہندوؤں کے مذہبی تہوار کی بازگشت ہے، اس کے ڈانڈے گستاخانِ رسول سے ملتے ہیں، اس میں کروڑوں روپے اور قیمتی انسانی جانیں ضائع ہوتی ہیں۔ اس میں لوٹ کھسوٹ، چوری چکاری، گانا بجانا، بے پردگی، مرد وزن کا مخلوط اجتماع، فضول ہوائی فائرنگ، اڑوس پڑوس بلکہ پورے شہر کی ایذاء رسانی، جوا اور شراب نوشی جیسے کئی گناہ شامل ہو چکے ہیں۔ مسلمانوں کے معاشی اور سیاسی حالات بھی اس قسم کی تفریحات کی اجازت نہیں دیتے۔ پتنگ بازی ان کھیلوں میں شامل ہو چکا ہے جو نئی نسل کے اخلاقی بگاڑ میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ کہا جا رہا ہے اور محض خیر خواہی کے جذبہ کے تحت کہا جا رہا ہے مگر ہمارے بسنت کے مارے ہوئے بعض بھائیوں کے کان پر جوں تک نہیں رینگ رہی۔ وہ ایک ہی بات بار بار دہرائے جا رہے ہیں، وہ یہ کہ ''بسنت ایک تفریح ہے اور اسلام نے تفریح کی اجازت دی ہے۔'' اس میں شک نہیں کہ اسلام تفریح کی اجازت دیتا ہے کیونکہ اسلام دین فطرت ہے، وہ فطرت کے تقاضوں کو نہ دباتا ہے نہ ختم کرتا ہے بلکہ اس کا رُخ بدلتا ہے۔ کھیل کود، دل لگی اور تفریح طبع انسان کی

فطرت میں داخل ہے، اس لیے اسلام نے اس کی اجازت دی ہے۔ باوجود یکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب ودماغ پر ہر وقت فکرِ آخرت اور غمِ انسانیت چھایا رہتا تھا پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے ساتھ، صحابہ کرام اور معصوم بچوں کے ساتھ دل لگی کے لیے وقت ضرور نکالتے تھے۔ کشتی، گھڑ دوڑ اور نیزہ بازی جیسے جنگی کھیلوں میں آپ کا عملی طور پر حصہ لینا احادیث سے ثابت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں چاہتے تھے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ اسلام میں کسی بھی قسم کے کھیل کی اجازت نہیں۔ عید کے دن کچھ حبشی بچے ڈھال اور نیزوں سے کھیل رہے تھے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر جھجکے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے حبشی بچو! کھیلتے رہو تا کہ یہود ونصاریٰ کو پتا چل جائے کہ ہمارے دین میں وسعت ہے۔''

اسی طرح عید کے دن کچھ بچیاں کھیل رہی تھیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں منع کرنے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے ابوبکر! انہیں چھوڑ دو یہ عید کے دن ہیں تا کہ یہودیوں کو معلوم ہو جائے کہ ہمارا دین گنجائش والا ہے۔ مجھے ایسی شریعت دے کر بھیجا گیا ہے جو افراط وتفریط سے پاک اور بہت آسان ہے۔''

ایک روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''دل اسی طرح اُکتانے لگتا ہے جیسے بدن تھک جاتے ہیں تو اس کے لیے حکمت کے راستے تلاش کرو۔''

یعنی کوئی ایسی تفریح اور دل لگی کی صورت اختیار کرو جس سے دل کی اُکتاہٹ دور ہو جائے۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمائی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کو مغموم اور پریشان دیکھتے تو دل لگی کے

ذریعے اسے خوش فرما دیتے تھے۔

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دین فطرت میں فطرت کے تقاضوں کو دبایا نہیں گیا بلکہ جائز حدود میں رہتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ ایسی تفریح جس سے روح کو فرحت، جسم کو صحت اور طاقت، طبیعت میں نشاط اور چستی اور میدان جہاد میں مہارت پیدا کرتی ہو وہ صرف جائز ہی نہیں شرعاً مطلوب بھی ہے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھڑ دوڑ، تلوار بازی اور تیراندازی کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا:

''جس نے نشانہ بازی سیکھی اور پھر اسے چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں۔''

لیکن ایسے کھیل اور تفریحات جو کسی حرام اور معصیت پر مشتمل ہوں یا جن میں مشغول ہو کر انسان اپنے دینی فرائض اور انسانی حقوق سے غافل ہو جائے یا جن کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف ہو یا جن کا کوئی مقصد ہی نہ ہو محض وقت گزارنے کے لیے کھیلا جائے تو شریعت ان کی اجازت نہیں دیتی یہاں تک کہ اگر نشانہ بازی، تیراکی اور دوڑ جیسے جہادی کھیلوں میں بھی یہ خرابیاں پیدا ہو جائیں تو ان کی موجودگی میں ان کھیلوں کی بھی اجازت نہیں ہوگی۔ مثال کے طور پر اگر گھڑ دوڑ میں جوا کھیلا جائے یا شرعی ستر کا اہتمام نہ ہو یا اس میں لگ کر نماز چھوڑ دی جائے تو اس سے منع کر دیا جائے گا۔ ان تصریحات کو سامنے رکھ کر پتنگ بازی، کرکٹ، کبوتر بازی اور ویڈیو گیمز جیسے کھیلوں پر نظر ڈالی جائے جنہیں میڈیا کے ذریعے مقبول عام بنا دیا گیا ہے کہ ان میں شریعت کے کتنے احکام کو پامال کیا جاتا ہے، کتنے قیمتی اوقات کو ضائع کیا جاتا ہے، کتنا سرمایہ برباد کیا جاتا ہے، کتنی بے پردگی اور بے حیائی ہوتی ہے، کتنے حقوق وفرائض کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور نجانے کتنے ناجائز امور کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ مگر یہ سب باتیں تو ان کے لیے ہیں جن کے ضمیر زندہ ہیں، جن کا اسلام سے تعلق باقی ہے، جو جائز اور ناجائز کی تمیز کے قائل ہیں اور جو اس تمیز کو کھو چکے ہیں ان کے لیے تو بس دعا ہی کی جا سکتی ہے۔

کیا ہر تفریح ناجائز ہے؟

مولانا محمد اسلم شیخوپوری

بات صرف اتنی سی ہے کہ مقصد اور وسیلہ کے فرق کو ملحوظ رکھا جائے اور شریعت کے تقاضوں اور حد بندیوں کو پامال نہ کیا جائے ورنہ کتاب وسنت پر نظر رکھنے والا کوئی عالم، زہد و تصوف کے لباس میں ملبوس کوئی صوفی اور مسندِ رشد وہدایت پر بیٹھا ہوا کوئی شیخ مطلقاً تفریح کو حرام نہیں کہہ سکتا۔ وہ حضرات سراسر بدگمانی، ضد اور تعصب کا شکار ہوئے ہیں جنہوں نے بعض ناروا کھیلوں پر اہل علم کی تنقید سن کر اپنے قلم اور زبان سے تابڑ توڑ حملوں کی بوچھاڑ کردی ہے اور ''مُلّا'' کو ہدف بنا کر اس پر چاند ماری شروع کردی ہے۔ وہ پینترے بدل بدل کر وار کر رہے ہیں اور انداز بدل بدل کر سوالات کر رہے ہیں کہ آخر یہ مولوی لوگ چاہتے کیا ہیں؟ جونئی چیز آتی ہے اس کی مخالفت شروع کردیتے ہیں۔ اسپیکر ایجاد ہوا تو انہوں نے اس کی مخالفت کی، شمس وقمر کی تسخیر ہوئی تو اس کا انکار کردیا، اب یہ کھیل کود کے پیچھے لٹھ لے کر پڑ گئے ہیں، یہ پوری امت کو بسم اللہ کے گنبد میں بند کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی کوشش تو یہ ہے کہ پوری قوم ہاتھ میں تسبیح پکڑ کر مسجد میں بیٹھ جائے، چہروں پر خشونت، مزاج میں کرختگی، بات چیت میں تلخی ہو، نہ کوئی ہنسے نہ کوئی مسکرائے، نہ خوشی کا اظہار نہ جشن نہ تہوار، بس ہر وقت رونا دھونا، آہیں اور سسکیاں۔ آخر ہم انسان ہیں، ہمارے سینے میں بھی دل ہے، ہمارے بھی کچھ جذبات ہیں، یہ جذبات اظہار چاہتے ہیں۔ یہ ہلا گلا، یہ کھیل کود یہ ہاؤ ہو طبعی جذبات کے اظہار ہی کی تو صورت ہیں۔ اگر ان جذبات کے اظہار پر پابندی لگائی گئی تو گھٹن پیدا ہوگی، نوجوان نسل بغاوت کی راہ پر چل پڑے گی۔ آپ جب بسنت کو

ہندوؤں کی نقالی، ویلنٹائن ڈے کو مغربی اقوام کی تقلید، نئے سال کی آمد پر ''ہاؤ ہو'' کو فسق و فجور، اپریل فول منانے کو گناہ کبیرہ، رقص وسرود کو فحاشی، فلم اور ڈرامہ کو بے حیائی، وڈیو گیمز کو بے راہ روی، گانا سننے سنانے کو حرام قطعی، کبوتر بازی اور مرغ بازی کو شیطانی عمل اور کرکٹ کو وقت کا ضیاع قرار دے دیں گے تو خود ہی سوچیے کہ کیا معاشرہ میں گھٹن پیدا نہیں ہوگی؟ نوجوانوں کے جذبات کا خون نہیں ہوگا؟ اور کیا وہ یہ سوال کرنے میں حق بجانب نہیں ہوں گے کہ کیا ہم مسلمانوں کے لیے ہر تفریح حرام ہے؟ اور کیا ایک آئیڈیل مؤمن بننے کے لیے ضروری ہے کہ ہر قسم کی شگفتگی، خوش مزاجی اور تفریح سے کنارہ کشی اختیار کرلی جائے؟ تو ان جارحانہ سوالات کا جواب یہ ہے کہ نہیں ہرگز نہیں۔

دین کا کوئی مبلغ، کوئی داعی، کوئی مجاہد اور کوئی خادم بلاتفریق ہر تفریح، ہر دل لگی اور ہر خوش مزاجی کو حرام نہیں کہہ سکتا۔ یہ علماء تو اس عظیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں جس کی شگفتگی اور خوش طبعی کے واقعات جماعت انبیاء میں سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ ایک طرف آپ کا قلب مبارک عرفانِ الٰہی میں ڈوبا رہتا تھا اور انسانیت کا درد آپ کو بے چین رکھتا تھا، شب کی تنہائی میں جب آپ پر گریہ طاری ہوتا تو سینے سے یوں آواز نکلتی جیسے ہنڈیا ابل رہی ہو۔ دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل وعیال سے، معصوم بچوں سے اور صحابہ کرام سے ہنسی مذاق بھی فرمایا کرتے تھے۔ چہرہ مبارک ہر وقت بشاش رہتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص سے مسکراتے چہرے سے ملتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اس پہلو کے بارے میں بیسیوں واقعات پیش کیے جاسکتے ہیں لیکن یہ مختصر سا کالم ان کے ذکر کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

ہم تو صرف یہ نکتہ سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اسلام، تنگ دلی، مایوسی اور رہبانیت کا مذہب نہیں ہے، اس میں انسان کے جائز طبعی تقاضوں کی تکمیل کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اسلام میں انسانی جذبات کے اظہار کے مواقع بھی ہیں اور خوشی کے تہوار بھی،

مزاح کی گنجائش بھی ہے اور کھیل کود تفریح کی اجازت بھی، لیکن جو کچھ بھی ہے اس کے کچھ حدود اور اصول ہیں۔ اسلام مسلمان کو بے لگام نہیں چھوڑتا کہ وہ تفریح طبع کے نام پر جس وادی میں چاہے منہ مارے اور شہوانی پیاس بجھانے کے لیے جس چشمہ سے چاہے سیراب ہوتا رہے۔ پھر یہ چیز بھی ہے کہ اسلام کھیل کود اور مزاح وظرافت کو محض وسائل کا درجہ دیتا ہے، زندگی کا مقصد بنانے کی اجازت نہیں دیتا۔ مسلمان کی زندگی انتہائی قیمتی متاع ہے، یہ متاع کوڑا کرکٹ خریدنے کے لیے نہیں ہے بلکہ ہیرے اور جواہر حاصل کرنے کے لیے ہے۔ جہنم کا ایندھن اکٹھا کرنے کے لیے نہیں ہے جنت کی راہوں پر چلنے کے لیے ہے۔ یہ کیا ہوا کہ کافر کی زندگی کا مقصد بھی فلم، اسٹیج، بلے بازی اور کھیل کود کے میدان میں نام پیدا کرنا ہو اور مسلمان کی زندگی کا بھی مقصد یہی ہو۔ جب کہ آج صورت یہ ہے کہ مسلمان مردوں ہی نے نہیں بے شمار مسلمان خواتین نے بھی اپنی زندگی کا مقصد کھیل کود کو بنالیا ہے، وہ ساری زندگی کھیل ہی کے لیے وقف ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ان کا کھیلنا اس لیے نہیں ہوتا کہ جسم مضبوط ہو، ذہن کو تراوٹ حاصل ہو، طبیعت میں تازگی اور نشاط پیدا ہو اور پھر اس تازگی اور صحت سے فائدہ اٹھا کر وہ کوئی ایسا کام کر سکیں جس میں ملک وملت کا فائدہ ہو، بلکہ وہ تو جسم کی مضبوطی، طبیعت کی تازگی اور ذہن کی تراوٹ اس لیے حاصل کرتے ہیں تا کہ وہ طویل عرصہ تک کھیل سکیں۔ پھر جب ان کھلاڑیوں کو قومی ہیرو بنا کر پیش کیا جاتا ہے، انہیں گراں قدر انعامات سے نوازا جاتا ہے، ملٹی نیشنل کمپنیاں انہیں اپنے اشتہارات میں اسپانسر کرتی ہیں، سائنسدانوں، علماء، اساتذہ اور قوم کے محسنوں کو وہ عزت نہیں دی جاتی جو ان کھلاڑیوں کو دی جاتی ہے تو پھر ان کی دیکھا دیکھی نئی نسل کے ہر فرد کے دل میں کھلاڑی اور خاص طور پر کرکٹر بننے کی امنگ پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ آج کل کرکٹ ہی وہ کھیل ہے جسے میڈیا کے زور پر مسلمانوں کے ذہنوں پر مسلط کر دیا گیا ہے، چنانچہ ہر پارک، ہر گلی اور بازار کرکٹ کا میدان بن کر رہ گیا ہے اور ہر دفتر اور اسکول کمنٹری کی آواز سے گونج رہا ہے، پھر اس فضول

کام میں انہماک کا عالم یہ ہے کہ ملازمین اپنے فرائض سے، والدین اپنی ذمہ داریوں سے، اولاد والدین کے حقوق سے اور بندے اللہ کی عبادت سے بالکل بے خبر ہو جاتے ہیں۔

بعض معاصر کالم نگاروں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ جب علماء کرام کو پتنگ بازی، کرکٹ اور وڈیو گیمز وغیرہ میں اتنی ساری خرابیاں نظر آتی ہیں تو آخر وہ ایسے کھیلوں کا تعین کیوں نہیں کر دیتے جو ان کی نظر میں شرعاً جائز اور ان خرابیوں سے پاک ہیں۔ یہ سوال بہت پرانا ہے، جب یہ سوال اٹھایا گیا تھا اسی وقت اس کا جواب بھی دے دیا گیا تھا جس کا خلاصہ آج کی آسان زبان میں یہ ہے:

(الف) ہر وہ کھیل جس میں نہ دین کا فائدہ ہو نہ دنیا کا وہ ناجائز ہے۔

(ب) جس کھیل میں دین یا دنیا کا کوئی قابل اعتبار فائدہ ہو وہ جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس میں مشغولیت کی وجہ سے شریعت کے کسی حکم کی پامالی نہ ہو۔

(ج) جس کھیل سے دین یا دنیا کا کوئی فائدہ حاصل ہو سکتا ہو لیکن اس میں کوئی خلاف شریعت چیز شامل ہو جائے تو وہ ناجائز ہے، جیسے تیر اندازی یا گھڑ دوڑ وغیرہ میں جب قمار اور جوئے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے تو یہ ناجائز ہوگا، یونہی کوئی ایسا کھیل جو کفار کے ساتھ مخصوص ہو تو اس کی مشابہت کی وجہ سے وہ بھی ناجائز ہوگا۔ اس وضاحت کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ کرکٹ، ہاکی، فٹ بال، والی بال، لان ٹینس، بیڈمنٹن اور ٹیبل ٹینس وغیرہ فی نفسہ جائز ہیں بشرطیکہ شریعت کی رعایت کی جائے لیکن جب ان کھیلوں کو زندگی کا مقصد بنالیا جائے، ان کی خاطر خانگی ذمہ داریاں ہی نہیں اللہ کی عبادت بھی فراموش کر دی جائے، بے پردگی، مرد وزن کا اختلاط، ڈانس اور ناچ بھنگڑے کو ان کھیلوں کا حصہ بنالیا جائے تو پھر بہر صورت ان سے منع کیا جائے گا خواہ کوئی راضی ہو یا ناراض کیونکہ اللہ والے کہہ گئے ہیں۔

سارا جہاں ناراض ہو پروا نہ چاہیے

وہ علماء کرام جنہیں اللہ تعالیٰ نے کتاب وسنت کے علم کے ساتھ ساتھ امت کی پستی،

زوال اور مظلومیت کا درد بھی عطا کیا ہے ان پر لازم ہے کہ وہ طعن و تشنیع کی پرواہ کیے بغیر اپنے اپنے حلقہ اثر میں مذکورہ کھیلوں میں در آنے والی قباحتوں کو بیان کریں۔ اگر انہوں نے منکرات اور گناہوں پر مشتمل کھیلوں سے قوم کو منع کرنے کی ذمہ داری میں تغافل برتا تو پھر ان کے خاندان میں بھی علماء نہیں کرکٹر اور فنکار ہی پیدا ہوں گے اور یہ وبائی کھیل اسکول، کالج تک محدود نہیں رہیں گے، دینی مدارس بھی ان کی لپیٹ میں آ جائیں گے........ خدا کرے کہ ایسا کبھی نہ ہو۔

بسنت ایک ہندوانہ تہوار

ملا معاویہ حنفی

آمد بہار:

بہار آتی ہے تو ہر طرف قدرت کے حسین نظاروں کا تاحد نگاہ ایک دلفریب منظر ہوتا ہے۔ پودے نرم و نازک کونپلوں اور خوش رنگ پھولوں سے مزین ہونے لگتے ہیں، ویرانوں میں بھی سبزہ لہلہانے لگتا ہے، پوری زمین قدرت کے عطا کردہ حسن سے بھر جاتی ہے، ایسے میں اگر کوئی شخص جنگلوں یا دیہاتوں میں نکل جائے تو فضا میں پھیلی بھینی بھینی خوشبو انسان کی روح کو تازگی اور بالیدگی عطا کرتی ہے۔ قدم قدم پر رنگ و بو کے بکھرے یہ نظارے ذات حق تعالیٰ کی عظمت و ربوبیت کا اعلان عام کر رہے ہوتے ہیں۔ عقل و فطرت اگر سلیم ہو، ضمیر و وجدان شیطانی آلائشوں سے آلودہ نہ ہو گئے ہوں تو یہ نشانیاں رب تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اقرار کرنے کے لیے کافی ہوتی ہیں۔ ان مظاہر کے مطالعہ و مشاہدہ سے ایمانی کیفیات میں اضافہ ہوتا ہے اور سلیم الفطرت انسان اپنی عبدیت کے اظہار کے لیے بے تاب ہو جاتے ہیں۔

لیکن اگر یہی انسان ان اعلیٰ صفات سے تہی دامن ہو تو یہ نظارے بسا اوقات گہری تاریک وادیوں اور گناہوں کی پُر خار پگڈنڈیوں کا مسافر بنا دیتے ہیں۔ ان راہوں کی کوئی منزل ہوتی ہے نہ نشانِ منزل۔ پھر وہ خود بھی بھٹکتا ہے اور دوسروں کے بھٹکنے کا سبب بنتا ہے۔ تب اسے اپنے دینی عقائد و اعمال بوسیدہ، اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ تہذیب معاذ اللہ دقیانوسی اور وعظ و نصیحت کی ہر آواز تکلیف دہ محسوس ہوتی ہے۔

بسنت اور بہار:

انسان نے اپنی تفریح طبع کے لیے مختلف کھیل ایجاد کیے اور اپنی خوشی کے اظہار کے لیے مختلف دن مقرر کیے۔ ہر قوم میں ایسا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دو مواقع دیے جس میں وہ شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے اپنی خوشی اور تفریح کا بھرپور اظہار کرتے ہیں۔ انہیں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں موسم بہار کے شروع میں ایک تہوار منایا جاتا ہے جس کو بسنت کہتے ہیں۔ فرہنگ آصفیہ میں بسنت کے لفظ کے تحت لکھا ہے:

''یہ سنسکرت کا لفظ ہے۔ گل عصفر، گل کا جیر، نغمات جوش افزا و تعشق انگیز کا موسم، موسم بہار، ہندی چھ رُتوں میں پہلی رُت کا نام، وہ گیت جو بسنت میلہ میں گاتے ہیں۔''

''بسنت پنچمی = ہندؤوں کے تہوار کا نام، بسنتی پوش: زرد پوش بسنتی: زرد، پیلا، بسنت کے میلے میں جانے والے وغیرہ وغیرہ۔''

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تہوار کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں بلکہ بسنت خالصتاً ایک ہندوانہ تہوار ہے۔ زرد رنگ ہندوؤں کا خاص شعار ہے اور ان کے یہاں بسنت کے موقع پر بطور خاص اس رنگ کے کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ معروف سیاح ابوریحان البیرونی اپنے سفرنامے میں لکھتے ہیں:

''اس مہینے میں استواء ربیعی ہوتا ہے جس کا نام بسنت ہے۔ ہندو لوگ حساب سے اس وقت کا پتا لگا کر اس دن عید کرتے ہیں اور برہمنوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور نیا غلہ تبرکاً پانی میں ڈالتے ہیں۔'' (کتاب الہند)

تاریخ لاہور (از عبداللطیف ص ۲۶۰) میں درج ہے:

''مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حکم سے بسنت میلہ منعقد کیا جاتا تھا اس دن اتنا جشن منایا جاتا کہ مہاراجہ سمیت سردار اور عام فوجی بھی زرد پوشاک میں ملبوس ہوتا تھا۔''

بے ضمیر لوگوں کا مشغلہ:

قیامِ پاکستان سے قبل ہندوانہ ماحول کے زیرِ اثر اور بعد میں ہندوستان کی مادر پدر آزاد فلمی ثقافت کی یلغار نے کچھ بے ضمیر مردہ دل مسلمانوں کو بسنت کے خبط میں مبتلا کر دیا ہے، وہ بلا سوچے سمجھے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے والے ہندو کی یاد میں رائج ہونے والے تہوار کو مناتے ہیں۔ ڈھولک کی تھاپ، موسیقی کی بے ہنگم مکروہ آواز فحش گانوں کے کیسٹوں کے دوران شرم و حیا سے عاری اور ہندو کلچر کے دل دادہ مرد و خواتین مل کر بسنت کا دن گزارتے ہیں۔ اس موقع پر پاکستانی و بھارتی اداکاراؤں کو بطور خاص بلایا جاتا ہے۔ ''بوکاٹا'' کے نعرے لگتے ہیں، بے تحاشا فائرنگ ہوتی ہے، شراب خانہ خراب کے دور چلتے ہیں، امراء کی خاص محفلوں میں وہ قبیح افعال انجام دیے جاتے ہیں کہ شیطان بھی شرما جائے، جانور بھی ان گندے اعمال سے پناہ مانگتے ہوں گے۔ ڈور کاٹنے اور پتنگ لوٹنے کے لیے اب تک بے شمار نوجوان موت کی وادیوں میں کھو چکے ہیں۔ بہت سے اپنی ٹانگیں تڑوا کر ہمیشہ کے لیے اپاہج ہو چکے ہیں۔ دھات کی تار استعمال کرنے سے بار بار بجلی منقطع ہوتی ہے۔ جس شہر میں بسنت میلہ منایا جا رہا ہو وہاں مریضوں کو سکون نصیب ہوتا ہے نہ عبادت گزار بندے توجہ سے عبادت الٰہی میں مشغول ہو سکتے ہیں۔ بعض منچلے سارا دن اور ساری رات فل آواز میں ڈیک لگا کر اڑوس پڑوس میں رہنے والوں کا جینا حرام کر دیتے ہیں، تب یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ کسی اسلامی ملک کے شہری نہیں بلکہ ہندوستانی راجواڑوں کی پیداوار ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ پتنگ بازی کے لیے ڈور کے دھاگے کے ٹریڈ مارک بھگوان مارکہ، پانچ پانڈہ، دو ریچھ، پانچ ریچھ اور مور مارکہ سب ہندوستان سے خریدے جاتے ہیں۔ بسنت سے اس قدر جنونی تعلق ہو چکا ہے کہ بسنت کا عفریت لاہور سے نکل کر پنجاب کے دوسرے شہروں گوجرانوالہ، سیالکوٹ، فیصل آباد اور دیگر چھوٹے بڑے شہروں میں پھیل چکا ہے۔ اسے ایک ہی دن میں نہیں منایا جاتا بلکہ ہر

بڑے شہر کے لیے مختلف دن مقرر ہیں تاکہ ایک دوسرے کے ہاں جا کر اس شیطانی کھیل میں حصہ لیا جا سکے۔

پتنگ بازی کی خرابیاں:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب اصلاح الرسوم میں پتنگ بازی کی جو خرابیاں درج کی ہیں وہ مختصراً یہ ہیں۔

”اب کنکوے (پتنگ بازی) کی نسبت بھی سن لیجیے جس قدر خرابیاں کبوتر بازی میں ہیں قریب قریب اس میں بھی موجود ہیں۔

۱. کنکوے (پتنگ) کے پیچھے دوڑنا جس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کبوتر کے پیچھے دوڑنے والے کو شیطان فرمایا۔

۲. دوسرے کے کنکوے (پتنگ) کو لوٹ لینا جس کی ممانعت حدیث شریف میں صراحۃً وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”نہیں لوٹتا کوئی شخص ایسا لوٹنا جس کی طرف لوگ نگاہ اُٹھا کر دیکھتے ہوں اور پھر بھی وہ مؤمن رہے (بخاری و مُسلم) یعنی یہ خصلت ایمان کے خلاف ہے۔ اس حدیث کے تاویلی معنی خواہ کچھ بھی ہوں لیکن ظاہراً تو اس شخص کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے خارج از ایمان قرار دیا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس کو لوٹنے میں تو مالک کی اجازت ہوتی ہے اس لیے اس کو لوٹنا جائز ہے تو یہ بالکل غلط ہے مالک کی اجازت ہرگز نہیں ہوتی چونکہ عام رواج بن گیا ہے اس لیے مالک خاموش رہتا ہے، حالانکہ وہ اس سے خوش نہیں ہوتا، اگر اس کا بس چلے تو خود دوڑے اور کسی کو بھی پتنگ نہ لینے دے۔

۳. ڈور کو لوٹ لینا اس میں بھی ایک اعتبار سے پتنگ لوٹنے سے بھی زیادہ قباحت ہے۔ کیونکہ پتنگ تو ایک ہی ہاتھ میں لگتی ہے اور وہی گناہ گار ہوتا ہے جبکہ ڈور تو بیسیوں آدمیوں کے ہاتھ میں آتی ہے اور سب کے سب گناہ گار ہوتے ہیں اور اس کا سبب وہی پتنگ باز ہے۔

۴. ہر شخص کی نیت یہ ہوتی ہے کہ دوسرے کی پتنگ کو کاٹوں اور اس کا نقصان کروں تو مُسلمان کو نقصان پہنچانا حرام کام ہے۔

۵. نماز سے غافل ہو جانا جس کو اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کے حرام ہونے کی علت بتلایا ہے۔

۶. اکثر کوٹھیوں کی چھتوں پر کنکوے اُڑانے سے آس پاس والوں کی بے پردگی ہوتی ہے۔

۷. بعض اوقات کنکوا (پتنگ) چڑھاتے ہوئے پیچھے کو ہٹتے جاتے ہیں اور کوٹھے سے نیچے گر پڑتے ہیں۔

۸. ایک خاص خرابی یہ ہے کہ اس میں آلۂ علم کی توہین ہوتی ہے کیونکہ کاغذ سے گڈی بنتی ہے یہ آلۂ علم ہے۔

۹. ان سب کھیلوں میں مال مفت کا ضائع ہوتا ہے اور فضول خرچی کا حرام ہونا قرآن سے ثابت ہے۔“

گستاخِ رسول کی یاد میں بسنت میلہ؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتیو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤ! عشق رسول میں جان کی بازی لگا دینے کا دعویٰ کرنے والو!

پورا ملک مطالبہ کر رہا ہے کہ گستاخ رسول کی سزا موت مقرر کی جائے۔ ہر منبر و محراب سے یہی آواز سنائی دے رہی ہے۔ ہر دردمند مسلمان کی یہی صدا ہے۔ بسنت کے غلط اور حرام ہونے کے لیے یہ کیا کم تھا کہ یہ تہوار ایک گستاخ رسول ہندو کی یاد میں منایا جاتا ہے! چہ جائے کہ اس کے دیگر نقصانات اس قدر ہیں۔

ذرا سوچیے! ہم مسلمان ہیں، ہمارے آباؤ اجداد نے بے پناہ قربانیاں دے کر ہندوؤں سے علیحدہ وطن حاصل کیا۔ کیا ہم بسنت منا کر تحریک آزادی کے شہداء سے غداری

نہیں کر رہے؟ کشمیر کی آزادی کے لیے لڑنے والے مُجاہدین اور شہید ہونے والی ماؤں، بہنوں کے خون سے بے اعتنائی نہیں برت رہے؟

ہر سال کروڑوں روپے اس شیطانی کھیل پر صرف کیے جاتے ہیں، اس قیمتی سرمائے کا محض کچھ حصہ ہی اُمت کے غرباء، یتامیٰ، مساکین پر خرچ کیا جاتا تو کیا ایک خوشگوار تبدیلی نہ آتی؟ ہزاروں ٹھنڈے چولہے گرم نہ ہوجاتے؟ بہت سی غریب بچیاں غربت کی وجہ سے شادیوں کیلیے منتظر بیٹھی ہیں ان کے نادار والدین اپنے ارمان پورے نہ کر لیتے؟ سینکڑوں ہزاروں مُجاہدین ہندوؤں سے برسرِ پیکار کشمیر میں جانیں دے رہے ہیں، یہی سرمایہ اگر ان خدامست مُجاہدین پر صرف کیا جاتا تو کیا یہ اللہ کے مقرب بندے اسلحہ و بارود خرید کر ہندو کو کشمیر سے نکل بھاگنے پر مجبور نہ کر دیتے؟

۵ فروری کو ''کشمیر ڈے'' منانے والو! اتنی جلدی کیوں بھول گئے کہ جو تہوار ہم منا رہے ہیں وہ ہندوؤں کا تہوار ہے؟

اے اللہ کے بندو!

بسنت ایک فضول تہوار ہے۔ جن کا ہے انہی کو منانا چاہیے۔ غیروں کی رسموں کو اپنا کر نہ ہم اپنے خالق و مالک کی نظر میں سرخرو ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ملک و قوم کا اس میں بھلا ہے۔ بہار کا موسم تو ہمیں یہ پیغام دیتا ہے کہ اللہ کی قدرت کا اقرار کیا جائے، اس کے سامنے جبینِ نیاز جھک جائے اور دل معبودِ حقیقی کی طرف مائل ہو جائے، نہ کہ ہندوؤں کی شیطانی خرافات میں خود کو کھو دیا جائے۔

اس اجتماعی حرام فعل پر حکومت کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ پابندی لگائے اور والدین پر بھی فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کو روکیں۔ وگرنہ جس پیمانے پر یہاں تیاریاں کر کے بسنت منائی جاتی ہے کل کلاں اس بات کی تمیز بھی اُٹھ جائے گی کہ یہ ایک ہندوانہ تہوار ہے۔ پھر انجانے میں مُسلمان بھائی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جہنمی گستاخ کی یاد زور و شور سے مناتے رہیں گے۔

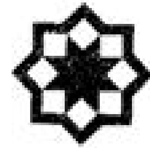
بسنت جیسی رسم بد پر ایک تبصرہ

ضربِ مؤمن جلد ۵ شمارہ ۸ میں بسنت کی قبیح رسم پر ایک تبصرہ شائع ہوا جسے قارئین کے استفادہ کی غرض سے پیش کیا جا رہا ہے۔

بسنت کی رسم بد پر مکمل پابندی ضروری ہے

پچھلے دنوں یہ خوش آیند خبر پڑھنے کو ملی ہے کہ کراچی میں بسنت کے تہوار کو غیر اسلامی قرار دیتے ہوئے کراچی کے اضلاع میں دفعہ ۱۴۴ لگا کر بسنت کے تہوار پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ خبر کے مطابق ڈپٹی کمشنر ساؤتھ نے ضلع میں کئی فائیو اسٹار ہوٹلوں کو نوٹس بھیجے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ یہ غیر اسلامی، پیسے کا زیاں اور انسانی جانوں کے لیے نقصان دہ تہوار ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ خبر بھی سننے میں آئی کہ پنجاب بالخصوص لاہور میں ۱۷ فروری کو منائے جانے والے اس تہوار کے لیے لاہور میں ۱۶ سے ۱۸ فروری تک مختلف پروگرام ترتیب دیے گئے ہیں، جنہیں حکومت کی سرپرستی حاصل ہے۔ واضح رہے کہ محققین کے مطابق جشن بہاراں کے نام سے منعقد کیا جانے والا یہ تہوار درحقیقت کالورام کی یاد میں منایا جاتا ہے کیونکہ جب کالورام کو موت کی سزا ہوئی اس دن بسنت معرض وجود میں آیا۔ یہ خالصۃً غیر اسلامی تہوار سالہا سال سے اسلام کے نام پر بنائے جانے والے ملک میں سرکاری سطح پر منایا جا رہا ہے۔ جبکہ شرعاً ممنوع ہونے کے ساتھ اس کے دُنیوی نقصانات اتنے زیادہ ہیں کہ کوئی عاقل اس کو درست نہیں کہہ سکتا۔ اس تہوار کے دنوں میں قرضوں میں گھرے ہوئے اس ملک کے عوام ہزاروں لاکھوں روپے کاغذ کی پتنگوں پر اڑا دیتے ہیں، چھتوں سے گر کر اور فائرنگ کی زد میں آ کر کتنی ہی قیمتی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں، بلکہ اب تو اس بہانے سے بڑے بڑے

ہوٹلوں میں مخلوط اجتماعات ہوتے ہیں جن میں غیر ملکی سفیروں اور این جی اوز کے نمائندے خصوصیت کے ساتھ شریک ہوتے ہیں جو ہمارے ملک میں فحاشی اور عریانی کو فروغ دینا چاہتی ہیں، اس طرح یہ تہوار ہماری اخلاقی اقدار کے لیے زہر قاتل بنتا جارہا ہے۔ اس بناء پر حکومت پر لازم ہے کہ جن وجوہ کی بناء پر کراچی شہر میں اس قبیح تہوار پر پابندی عائد کی گئی ہے انہی وجوہ کی بناء پر ملک بھر میں اس پر پابندی لگائے۔ جو حضرات اس کو خوشی کے اظہار کا ذریعہ سمجھتے ہیں ان کی خدمت میں عرض ہے کہ خوشی خوشی میں کسی کی جان لینا کس طرح روا ہوسکتا ہے؟ روزنامہ جنگ میں خبر شائع ہوئی ہے کہ لاہور میں پتنگ بازوں کی ہوائی فائرنگ سے ایک ۱۸ سالہ نوجوان شہزاد حسین ہلاک ہوگیا۔ اسی طرح کے دل دوز واقعات اس تباہ کن رسم کے دوران بکثرت پیش آتے ہیں، لوگوں کی جس خوشی کے پیچھے ہلاکتیں پوشیدہ ہوں اس کی اجازت کس طرح دی جاسکتی ہے؟ لہٰذا حکومت کو اس تہوار اور ان تقریبات پر مکمل پابندی عائد کرنا ہوگی ورنہ شہزاد حسین جیسے کئی نوجوان اس تہوار کے بھینٹ چڑھ جائیں گے۔ حضرات علماء کرام اور اہل قلم حضرات سے گذارش ہے کہ اس رسم بد کے خلاف آواز اٹھائیں۔ حکومت سے اس پر پورے ملک میں پابندی لگوانے اور عوام کو اس مہلک رسم سے بچانے کی پوری کوشش کریں۔



بسنت پر ضرب مؤمن کا اداریہ

کہیں یہ جشن ہمیں لے ہی نہ ڈوبیں

لاہور میں ہندوانہ تہوار بسنت کی ہڑبونگ میں چار افراد ہلاک ہوگئے ہیں۔ ان ہلاکتوں اور وسائل کے ضیاع سے بڑھ کر نقصان اور افسوس کا باعث یہ ہوا ہے کہ متعصب ہندو لیڈر بال ٹھاکرے نے مملکتِ اسلامیہ کے صوبائی دارالحکومت میں اتنے بڑے پیمانے پر یہ ہندوانہ رسم منائے جانے پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اسے اپنی اہم کامیابی قرار دیا ہے۔ قرضوں کے بوجھ تلے دبے، بیروزگاری، مہنگائی اور معاشی ابتری کے شکار ملک میں پہلی مرتبہ اس تہوار کو سرکاری سرپرستی میں منایا گیا۔ شب بھر میں ہزاروں لاکھوں روپے بے جا مصرف پہ پھونک ڈالے گئے۔ رقص، ہوائی فائرنگ، بے ہنگم موسیقی اور شور شرابے نے پوری رات لاہور شہر اور اس کے باسیوں کو اپنی گرفت میں لیے رکھا۔ بعض دانشوروں کی طرف سے اسے بسنت کی بجائے ''جشن بہاراں'' کا نام دے کر قومی تہوار کا رنگ دینے کی مہم جاری تھی کہ ملک کی مقتدر ترین ہستی نے اسے غریبوں کے فائدے اور ملک میں سرمایہ کاری کا ذریعہ قرار دے کر سند جواز عطا کردی ہے اور اگلے برسوں نجانے اس تہوار کی تقریبات کیا رُخ اختیار کریں گی؟ کسی چیز کے اختیار کرنے یا چھوڑنے کا فیصلہ کرتے وقت نجانے ہم کیوں بھول جاتے ہیں کہ ہم ایسی ملت کے فرد ہیں جس کی کامرانی اور ناکامی کے لیے خالق کائنات نے کچھ اصول طے کر رکھے ہیں، ان سے ہٹ کر ہم فلاح کی راہ تلاش کریں گے تو کبھی کامیاب نہ ہوسکیں گے۔ ایک ایسی چیز جو نہ صرف یہ کہ ہمارے مذہب کی رُو سے قطعاً غلط ہے بلکہ ہمارے دشمنوں کی تہذیب اور ان کی نظر میں ہماری تذلیل کا باعث

ہے، ایک زندہ اور غیرت مند قوم کس طرح بڑھ چڑھ کر اختیار کرتی جارہی ہے۔ کیا ہم ملی حمیت کے لحاظ سے اس قدر گر چکے ہیں کہ ہم پر اپنے بدترین دشمن کے طعنوں کا اثر بھی نہیں ہوتا۔ بال ٹھاکرے نے ویلنٹائن ڈے کو عیسائی رسم قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ جو لوگ یہ دن منانا چاہتے ہیں وہ امریکا چلے جائیں۔ بت پرستی جیسی حماقت کے شکار جنونی تو غیروں کی تہذیب سے اتنے متنفر ہیں لیکن آسمانی تعلیمات پر یقین رکھنے والے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار اپنے جانی دشمنوں کی رسوم کے اس قدر دلدادہ ہیں کہ غیر مسلموں سے بڑھ کر ان تہواروں کو منا رہے ہیں!! آخر اخلاقی گراوٹ اور ملی غیرت سے محرومی کی کوئی حد بھی ہے؟

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

اس تہوار سے غریبوں کو اگر کوئی فائدہ ہوا بھی تو کیا یہ اس نقصان کی تلافی کر سکتا ہے جو ان دنوں لٹائی گئی دولت سے ہوا؟ بیرون ملک کی سرمایہ کاری کو راغب کرنے کے لیے اگر ہمیں اپنی شناخت کھونی پڑے یا قومی غیرت کو گروی رکھنا پڑے تو کیا ہم یہ بھی کر گذریں گے؟ ایک طرف ہمیں سخت دشمنوں کا سامنا ہے، ملک کی معیشت قرضوں کے بوجھ تلے اُکھڑتے سانس لے رہی ہے، بیروزگاری کے ہاتھوں تنگ آئے نوجوان خودکشیاں کر رہے ہیں، ان حالات میں ہم خداتعالیٰ کے حضور سربسجود ہوکر اپنے گناہوں کی معافی اور اس کی رحمت طلب کرنے کی بجائے ساری رات اس کی نافرمانی میں جاگ کر گذار رہے ہیں، یہ سب کچھ ہماری تباہی کی علامات ہیں یا بھلائی کی نوید؟ اس کا فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں بشرطیکہ ہم قدرتی آفات اور غیروں کی غلامی سے بچنے اور ایک زندہ و باشعور قوم کی طرح رہنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔

ضرب مؤمن کے ایک قاری کا مراسلہ

مغربی اور ہندو کلچر کے آثار

دین اسلام محض روایتی مذہب نہیں بلکہ مکمل اور جامع نظام زندگی ہے جہاں ہمیں اس بات کا احساس ہے وہیں پر اعتراف بھی کرنا پڑے گا کہ ہم بحیثیت امت مسلمہ اپنی شناخت سے محروم ہو چکے ہیں۔ اچھائی و برائی کی تمیز مٹ چکی ہے اور یہ بھی بھلا بیٹھے ہیں کہ مسلم معاشرے کا امتیازی وصف کون سا ہے۔ ہمارے اردگرد برائیوں کا نہ ختم ہونے والا طوفان برپا ہے اور ہم اعلیٰ اخلاق اوصاف سے قطعی عاری ہو چکے ہیں۔ میڈیا سیکولر تہذیب کا پرچار کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی گزارنے کے تمام اصول و طریقے بتادیے، خوشیاں منانے کے دو تہوار بھی عطا کیے اور انہیں منانے کا طریقہ بھی بتادیا۔ ہمارے تمام معاملات میں مغربی و ہندوانہ کلچر کا گہرا اثر ہے اسی طرح ہمارے تہواروں میں بھی ان کے تہوار شامل ہو چکے ہیں۔ آہستہ آہستہ ان کا رنگ تمام شہروں میں نظر آنے لگا ہے اور نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ یہ دن منانے کے لیے تمام طور طریقوں میں طبقاتی تقسیم بھی کر دی گئی۔ بہار کی آمد کے ساتھ بسنت میلہ کی تیاری بڑے تہوار کے طریقے سے کی جاتی ہے جب کہ ہماری اکثریت بھی ناواقف ہے کہ یہ میلہ کیوں منایا جاتا ہے؟ ایک ایسی قوم جس کی ۸۰ فیصد آبادی خطِ غربت کی زندگی گزار رہی ہے وہاں پتنگ، ڈور وغیرہ پر لاکھوں و کروڑوں روپیہ پانی کی طرح بہادیا جاتا ہے۔ اسلحہ کا بے دریغ استعمال پتنگ بازی میں سبقت لے جانے کی کوشش میں اپنی جان تک کی پروا نہیں کرتے، کبھی ایسا نہیں ہوا ہوگا

کہ بسنت کے اگلے دن جانی نقصان کی اطلاع نہ ملی ہو، یہی حال ویلنٹائن ڈے کا ہے۔ ان تہواروں کی حقیقت جو بھی ہو ہمیں بحیثیت امت مسلمہ ان کی بیخ کنی کرنی چاہیے۔ اخبارات کے ذریعے ان بے ہودہ رسوم کی تشہیر تمام چیزوں سے بڑھ کر ان تہواروں کو اہم قرار دینا کس بات کا مظہر ہے؟ ایک مسلمان کے لیے سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خوشنودی ہے۔ ہم اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے دعویدار ہوتے ہوئے یہ دن کیونکر مناتے ہیں؟ کبھی سوچا ہے ہم لوگوں نے بھی؟

محمد جنید فرمان۔ کراچی

ایک اور قاری کا مراسلہ

جو قارئین کی نشست میں شائع ہوا

محترم جناب مفتی ابولبابہ صاحب

السلام علیکم

میں تقریباً گزشتہ ڈیڑھ سال سے ''ضربِ مؤمن'' کا قاری ہوں اور فہمِ دین کورس میں شریک بھی ہوں۔ آپ نے اپنے گزشتہ مضمون میں ''بسنت'' کے بارے میں قارئین سے بھی معلومات طلب فرمائی ہیں، بندہ نے بھی اس موضوع پر کچھ تحقیق کی کوشش کی ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ آپ جیسے عالمِ دین کی مفصل و مدلل تحقیق کے قریب بھی نہیں پھٹکتی، بندہ کی حقیر سی کوشش پیشِ خدمت ہے:

دلیل نمبر ۱): آپ نے اپنے پچھلے مضمون میں ذکر کیا ہے کہ اس تہوار کا تعلق ہندو مذہب کی ایک دیوی سرسوتی سے بھی ہے۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ آج کے لوگوں کو ہر چیز کا ریفرنس چاہیے ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے آپ کی معلومات کا ایک اور ریفرنس ملاحظہ ہو:

''امریکن میوزیم آف نیچرل ہسٹری کی آفیشل ویب سائٹ پر ''میٹنگ گاڈ'' کے کالم میں لکھا ہے: سرسوتی (علم) آرٹس، ڈانس اور میوزک کی دیوی) کو شمالی بھارت میں پوجا جاتا ہے، بسنت پنچمی کے تہوار پر۔ یہ تہوار ہندو مہینے مگھ (جنوری/فروری) میں ہوتا ہے اور خاندان اپنی اپنی پوجا کرتے ہیں سرسوتی کی بسنت پنچمی کے دن۔''

اب اس تہوار کے ہندوانہ ہونے کی گواہی ایک ہندو اخبار کے ہندو کالم نگار سے بھی ملاحظہ ہو:

دلیل نمبر۲): ''مشہور ہندو اخبار ''دی ہندو'' کا کالم نگار ''ھی رامن ہور ریڈی'' اسی اخبار میں لکھتا ہے: ''آپ کبھی یہ بات ذہن میں نہ لاسکیں گے کہ لاہور میں ایک پبلک میلہ بسنت کے نام سے منایا جاتا ہے۔ پاکستان میں منائے جانے والا پبلک ہالی ڈے ایک ہندو نام کے ساتھ؟ ایک ایسا تہوار جو اسی دن منایا جاتا ہے جس دن بھارت میں ''بسنت پنچمی'' منایا جاتا ہے۔''

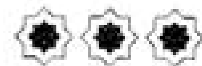
دلیل نمبر۳): ''بھارت کا ایک مشہور اخبار ''دی چندی گڑھ ٹرائی بیون'' بھارت کے ایک اسکول سے منسوب خبر شائع کرتا ہے کہ ''طلبہ اپنے ساتھ میٹھے چاول لائے جو پیلے رنگ کے تھے اور بسنت تہوار سے ان کا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اسکول کا اسٹاف پیلے رنگ کے کپڑے پہنتا تھا۔''

اُمید ہے کہ آپ بندہ کی اس ادنیٰ سی کوشش کو پسند کریں گے اور بارگاہِ الٰہی میں اس کی قبولیت کے لیے دعا کریں گے اور ساتھ ہی بندہ کے گناہوں سے حفاظت کے لیے بھی۔

ازراہِ کرم میرا نام پوشیدہ رہنے دیجیے۔ (م۔ع۔ا)

الجواب :

آپ نے جو معلومات بھیجی ہیں وہ مفید ہیں اس طرح بسنت کے خلاف مہم کی کامیابی کے لیے اگر کوئی مفید تجویز ہو تو آگاہ فرمائیں تا کہ یہ کبیرہ گناہ ہمارے معاشرے سے ناپید ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی کوشش قبول فرمائے اور اپنی محبت و معرفت نصیب فرمائے۔



ضربِ مؤمن کے ایک قاری کا خط

محترم مدیر صاحب!

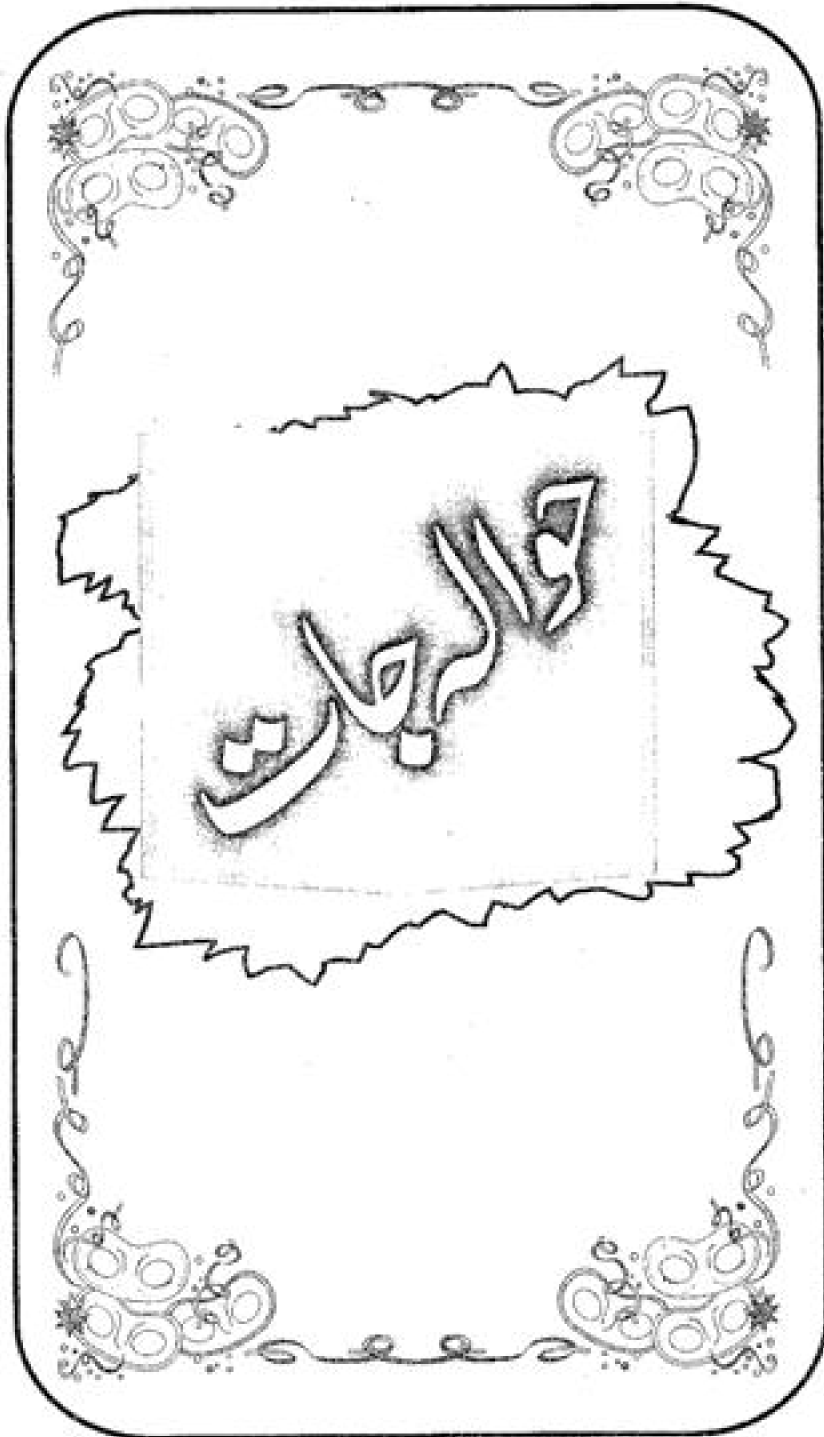
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض یہ ہے کہ اسی ہفتے کی اشاعت میں کسی دوست نے بسنت کے بارے میں آپ لوگوں سے سوال پوچھا تھا لہٰذا میں اس کا جواب ارسال کر رہا ہوں، اسے اگلے ہفتے کی اشاعت میں تمام مسلمانوں کے لیے ضرور شائع کیجیے۔ شکریہ!

بسنت کا تہوار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کرنے والے ہندو ملعون (حقیقت رائے باکھ مال پوری) کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ غیور مسلمانوں کو معلوم نہیں کہ یہ تہوار ہندوؤں کا ہے جو ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کرنے والے کی یاد میں ہندو مناتے ہیں۔ اس بات کا شاید اہلِ پنجاب کو بھی علم نہ ہو۔ ایک بہت ہی قابل سکھ مؤرخ ڈاکٹر بی ایس نجار نے اپنی کتاب ''پنجاب آخری مغل دورِ حکومت میں'' ذکر کیا ہے کہ زکریا خان (۱۷۰۷۔۱۷۵۹ء) میں پنجاب کا گورنر تھا۔ ڈاکٹر نجار اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ حقیقت رائے باکھ مال پوری سیالکوٹ کے کھتری کا لڑکا تھا۔ حقیقت رائے نے دو جہاں کے سردار رحمۃ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کیے۔ اس جرم پر حقیقت رائے کو گرفتار کر کے عدالتی کارروائی کے لیے لاہور بھیجا گیا۔ اس واقعہ سے پنجاب کی غیر مسلم آبادی کو شدید دھچکا لگا۔ کچھ ہندو آفیسر گورنر زکریا خان کے پاس گئے کہ حقیقت رائے کو معاف کر دیا جائے۔ لیکن زکریا خان نے کوئی سفارش نہ سنی اور حقیقت رائے کو سزائے

موت کا حکم سنا دیا گیا۔ مجرم کو پہلے ایک ستون سے باندھ کر اسے کوڑوں کی سزا دی گئی، اس کے بعد اس کی گردن اڑا دی گئی جس پر پنجاب کی تمام غیر مسلم آبادی نوحہ کناں رہی۔ حقیقت رائے کی یادگار کوٹ خواجہ سعید کھوجے شاہی لاہور میں ہے۔ اب یہ جگہ باوے دی مڑہی کے نام سے مشہور ہے، جہاں ہندو رئیس کالو رام نے بسنت میلے کا آغاز کیا۔ اگر کسی کو لاہور جانے کا اتفاق ہو تو ۶۰ نمبر ویگن کا آخری اسٹاپ بھی یہی ہے۔'' پنجاب آخری مغل دور حکومت میں'' صفحہ ۲۷۹ پر لکھا گیا ہے کہ پنجاب کا بسنت میلہ اسی حقیقت رائے گستاخ رسول کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ یہ مضمون پڑھنے کے بعد کوئی بھی باضمیر مسلمان یہ تہوار منانے کی کوشش نہیں کرے گا کیونکہ ہم سب نے بھی مرنا ہے اور آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا کرنا ہے۔ ہم مسلمان ہیں قیامت کے دن ہم سے اگر اس فعل کے بارے میں باز پرس کی جائے کہ اے لوگو اتم وہی ہو جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کے مرتکب شخص کی یاد مناتے رہے تو ہمارے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟ اللہ ہم پر رحم کردے ورنہ بہت مشکل ہے۔ آمین

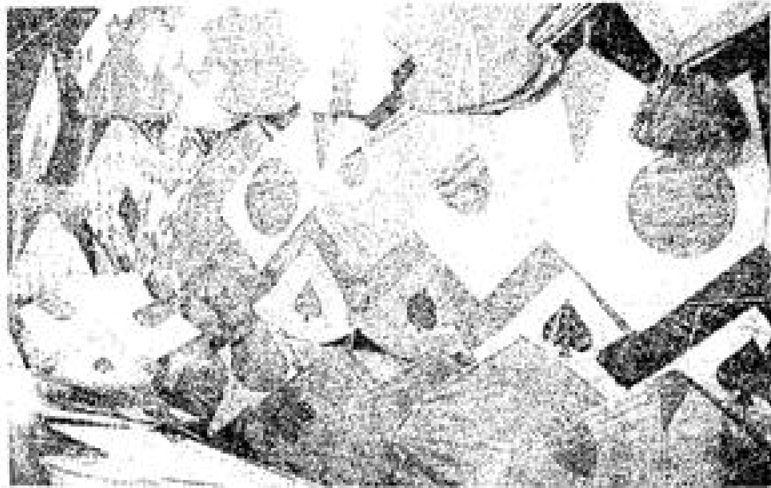




فہرست حوالہ جات

لاہور میں بسنت ہندو مذہب کی عظیم کامیابی ہے، بال ٹھاکرے

بھارت اور پاکستان کے درمیان ثقافتی ہم آہنگی کیلئے پاکستانی عوام کے اقدامات قابل تعریف ہیں



لاہور میں پتنگوں کا ایک اسٹال۔ شائقین نے پتنگ بازی کے اس کھیل پر کروڑوں روپے پھونک دیئے۔ کیا قرضوں میں جکڑی قوم کا یہی انداز زندگی ہوتا ہے؟

پاکستان میں بسنت کا انعقاد ہندو مذہب کی کھلی حمایت ہے : بال ٹھاکرے

[illegible]

بسنت تاریخی حوالوں کی روشنی میں



کتاب الہند

البیرونی

ترجمہ

سید اصغر علی

نظرثانی

سید عطا حسین ایم اے

کتاب الہند

البیرونی

ترجمہ

سید اصغر علی

نظرثانی

سید عطا حسین ایم اے

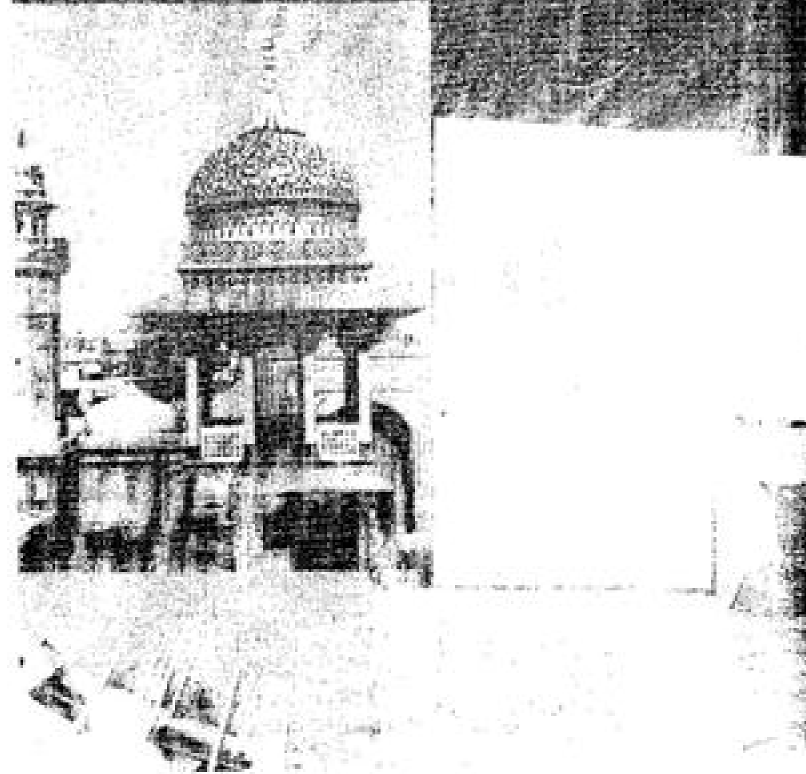
الفیصل
ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

۲۳۸

عید بسنت | اسی مہینے میں استوا، ربیعی ہوتا ہی جس کا نام بسنت ہی۔ حساب سے اس وقت کا پتہ لگا کر اس دن عید کرتے اور برہمنوں کو کھلاتے ہیں۔

جیٹھ کے پہلے دن جو اجتماع (یعنی اماوس) کا دن ہی عید کرتے اور نیا غلہ تبرکاً پانی میں ڈالتے ہیں۔





پنجاب

تمدنی و معاشرتی جائزہ

ڈاکٹر انجم رحمانی

الفیصل
ناشران و تاجران کتب
اردو بازار لاہور

سوانگ: یہ نیم مذہبی قسم کا کھیل ہوتا ہے جس میں نامور سورماؤں کی زندگی کی جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں۔ اس میں آدھا کام اداکاری کا ہوتا ہے اور آدھا گانے بجانے کا۔ رزمیہ گانے والے پیشہ ور اداکار بولی' بسنت اور دسہرہ جیسے تہواروں پر سوانگ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔
بنیادی طور پر ایسے سوانگ کا مقصد کسی ہیرو کے واقعات کو پیش کر کے لوگوں میں مذہبی جذبات کو ابھارنا ہوتا ہے۔ اکثر سوانگ پورن بھگت' گوپی چند اور حقیقت رائے کے بارے میں ہوتے ہیں۔ پورن بھگت سیالکوٹ کے راجا سلواہن کا بیٹا تھا جو پہلی صدی عیسوی میں گزرا ہے۔ اس کی تفصیل ہم پنجاب میں قصے کے عنوان کے تحت اس کتاب میں پہلے بیان کر آئے ہیں۔

گوپی چند سوانگ بھرتری ہری کے بھانجے کے بارے میں ہے جو مشہور راجا اور شاعر تھا اور عام طور پر اسے وکرماجیت کا بھائی سمجھا جاتا ہے۔ گوپی چند کی ماں اسے تخت و تاج چھوڑ کر ایک سادھو سنت کی زندگی اختیار کرنے کا مشورہ دیتی ہے کیونکہ اس کے نزدیک دنیا کی خوشیاں ناپائیدار ہیں۔

[حقیقت رائے بھی سیالکوٹ کے باگ مل کا بیٹا تھا۔ جسے بسنت پنچمی کے دن صرف بارہ برس کی عمر میں مار ڈالا گیا۔ اس کی سمادھی لاہور میں بنائی گئی تھی اور تقسیم ملک کے وقت وہاں ہر سال بسنت پنچمی کے موقعے پر بڑا زبردست میلا لگتا تھا۔

ان تینوں سوانگوں کے ذریعے پنجاب کے لوگوں کو یہ سبق سکھایا جاتا ہے کہ پورن بھگت کی طرح حرص و ہوا کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا چاہیے' گوپی چند کی طرح دنیا کے ناپائیدار عیش و آرام کو ٹھکرا دینا چاہیے اور حقیقت رائے کی طرح تعصب اور ناانصافی کے آگے ہتھیار ڈالنے کی بجائے جان دینا بہتر ہے۔]

یہ تینوں سوانگ قیام پاکستان کے بعد مغربی پنجاب سے ناپید ہو چکے ہیں۔

قیام پاکستان سے پہلے پنجاب میں عوامی میلوں سے موقعوں پر بعض اوقات مل دمنیتی اور روپ بسنت کے سوانگ بھی پیش کئے جاتے تھے۔ میلوں میں حصہ لینے والی ناٹک منڈلیوں میں یہ ایک اہم منڈلی تھی۔ اس کا مقصد بھی عوام میں مذہبی روح پیدا کرنا تھا۔ یہ سوانگ لوک دھنوں پر بنی گانے بجانے سے بھرپور ہوتے ہیں۔ پیش کئے جانے والے لوک گیت' منظوم مکالموں' اداکاری اور ناچ کا بہترین مظاہرہ ہوتے ہیں۔ ان سب چیزوں کو راوی کا دلچسپ انداز ایک مضبوط یونٹ بنا دیتا ہے۔

نوٹنکی: نوٹنکی سوانگ ہی کی ایک شکل ہے۔ نوٹنکی کا نام پنجاب کی ایک خوبصورت راج کماری کی روایتی داستان سے جڑا ہوا ہے جو پھول سنگھ نام کے ایک نوجوان کی محبت میں مبتلا تھی۔ اس کی زندگی کے ڈرامے کو جب بار بار لوگوں کو دکھایا گیا تو وہ بے حد مقبول ہو گیا۔ بعد ازاں

اور اپنے اپنے حوصلے کے مطابق لیے سے لیے سودے بھرتے ہیں۔ خوش طبع لوگ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بولیاں گاتے پھرتے ہیں اور الغوزے اور ونجلی کی دھنوں پر لوگ ناچ بھی ہوتے ہیں۔ طاقت ور لوگ کشتی کے اکھاڑوں میں اپنا زور آزماتے ہیں۔ بیل پکڑنے کے مقابلے بھی ہوتے ہیں۔ گویا پنجاب کا میلا رنگ اور خوشی کا ایک ایسا نظارہ ہے جس سے وہاں کی انسانی برادری کی خوش پوشی اور خوش باشی کا پوری طرح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

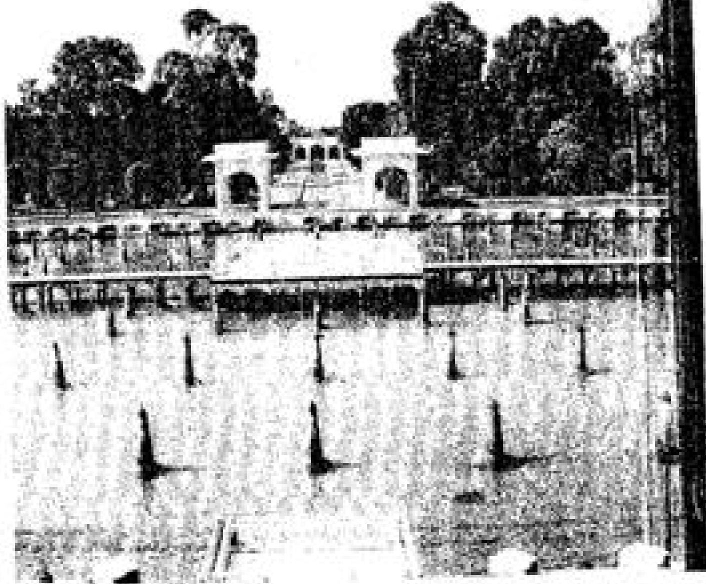
یہ میلے صوبے کی تمدنی زندگی سے جڑے ہوتے ہیں۔ ان میلوں سے پنجاب کی زندگی کے کئی پہلوؤں کی عکاسی ہوتی ہے۔ یہ میلے موسمی 'اساطیری' جنگجوں اور پیروں فقیروں کے تہواروں سے جڑے ہوتے ہیں۔ موسمی میلوں میں بسنت "کئی سب سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ بہار کی آمد کا مژدہ ہوتا ہے۔ اس سمیں پورے دیس پنجاب میں سرسوں کے کھیت ایک عجیب و غریب اور دلفریب سماں پیش کرتے ہیں۔

بسنت کا میلہ پنجاب کے بہت سے دیہات میں لگتا ہے۔ موسم کی مناسبت سے لوگ بھارتی پنجاب میں عموماً" پیلے کپڑے پہنتے ہیں۔ قیام پاکستان سے پہلے بسنت کا اصل میلہ لاہور میں مادھو لال حسین کے مزار پر لگتا تھا۔ ہندو یہ میلہ باغبان پورہ میں واقع حقیقت رائے کی سمادھی کے پاس مناتے تھے۔ حقیقت رائے تو عمری میں مغلوں کے زمانے میں مارا گیا تھا۔ سکھ یہ میلہ گوردوارہ گورو ماتحت صاحب میں جمع ہو کر مناتے تھے۔ مہاراجہ رنجیت کے زمانے میں یہ میلہ شالامار باغ میں منایا جاتا تھا۔ مہاراجہ قلعہ لاہور سے شاندار جلوس لے کر خود اس میں شرکت کرتا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد بھی لاہور میں بسنت کا تہوار بڑی دھوم دھام سے 29 پھاگن کو منایا جاتا ہے جبکہ سردی کا موسم رخصت ہو رہا ہوتا ہے۔ اس لئے اس تہوار کو بسنت پالا اڑنت 'کہا جاتا ہے۔ اس تہوار کی آمد سے پہلے لاہور کے لوگ' بڑے زور و شور سے تیاری کرتے ہیں۔ مختلف مقامات پر پتنگوں کی خصوصی دکانیں کھل جاتی ہیں اور گلی گلی پتنگوں کے اڑانے کے لئے ڈوریں تیار کی جاتی ہیں۔ پتنگیں کئی اقسام' اشکال اور سائز کی تیار کی جاتی ہیں۔ ڈوروں کے بھی کئی معیار ہوتے ہیں۔ بسنت کی رات آتے ہی لاہور کے لوگ بالخصوص قدیم لاہور کے لوگ چھتوں پر چڑھ جاتے ہیں جہاں فلڈ لائٹوں کا خصوصی انتظام کیا جاتا ہے۔ ڈیک پر نوجوان گانوں کے کیسٹ لگاتے اور ناچتے اچھلتے ہیں۔ رات بھر بوکاٹا اور قہقہے کی آوازیں بلند ہوتی رہتی ہیں۔ لڑکے بالے چھلانگے اڑاتے ہوئے پتنگوں کے پیچھے بھاگتے ہیں اور بعض اوقات چھتوں سے گر کر موت کا شکار بھی ہو جاتے ہیں۔ قیام پاکستان سے پہلے موجودہ

تاریخ لاہور

کنہیا لال



تاریخِ لاہور

کنہیا لال

سنگِ میل پبلی کیشنز، چوک اردو بازار، لاہور۔

مکان سمادھ حقیقت رائے

حقیقت رائے نواب زکریا خان بہادر صوبہ لاہور کے وقت ایک لڑکا [illegible]
کا تھا اور ایک مسلمان مکتب دار ملا کے مکتب میں فارسی پڑھتا تھا۔ ایک روز
ایسا اتفاق ہوا کہ استاد کسی کام کو باہر گیا اور لڑکے مکتب کے آپس میں
لڑنے لگے۔ ایک مسلمان لڑکے نے دیوی کے حق میں کوئی ناشائستہ کلمہ کہا۔
حقیقت رائے کو وہ بات ناگوار گزری اور اس نے پیغمبر صاحب کی لڑکی کی

نسبت کوئی ایسا لفظ کہہ دیا جو کمال بے ادبی پر دلالت کرتا تھا جب استاد
آیا تو مسلمان لڑکون نے استاد کے روبرو سب حال بیان کیا وہ سنتے ہی
غصہ کے مارے لال ہوگیا اور حقیقت رائے کو پکڑ کر قاضی شہر کے روبرو لیگیا
قاضی نے حسب تقریر سنی حقیقت رائے کے حق مین قتل کا فتویٰ لکھا اور
منظوری کے لئے صوبہ لاہور کے پاس بھیجدیا نواب ذکریا خان بہادر نے
حقیقت رائے کو روبرو بلایا اور حکم دیا کہ تو نے کمال بے ادبی اہل بیت کے
حق مین کی جسکا واجب القتل ہے مگر اگر تو مسلمان ہوجائے تو تیری جان
بچ سکتی ہے ورنہ گردن مارا جائیگا حقیقت رائے نے مسلمان ہونے سے انکار کیا
اور جان شیرین اپنے ملت و مذہب پر قربان کردی یعنی گردن مارا گیا نعش
اسکی اس مقام پر جلائی گئی جہان اب یہ سمادھ بنی ہوئی ہے۔ یہ سمادھ بجانب
شرق موضع کوٹ خواجہ سعید کے لاہور سے بفاصلہ دو میل شرق کی سمت
کو واقع ہے مکان نہایت بزرگ و متبرک ہے شہر کے ہنود بخلوص دل یہان
آکر جبین سائی کرتے ہین بسنت کے روز بڑا بھاری میلہ اس جگہ ہوتا ہے۔
چڑھاوے کی آمدنی بھی بخوبی ہوتی ہے مکان سمادھ پختہ چونہ گچ بنا ہوا ہے
پہلے ایک مربع پختہ چبوترہ ہے جسپر مکان سمادھ ہے سمادھ کے مکان کی
دیوارین پختہ ہین اور دروازہ بجانب شرق ہے مکان کے وسط مین ایک
پختہ چبوترہ اسپر سمادھ پختہ بنی ہے جسپر غلاف پڑا رہتا ہے سقف اس مکان
کی قالبوتی اور اوپر گنبد گول پہاڑی دار بنا ہوا ہے باہر اسکے اسی چبوترے پر
ایک اور چھوٹا گنبد بنا ہوا ہے جسمین شیو جی کا استھاپن ہے اسکے جنوب کیطرف
ایک چاہ چرخی دار بنا ہے سمادھ کے چبوترے کے محاذ مین ایک اور چبوترہ
ہے اسپر مکان رہایش پجاریان سمادھ ہے یہ دریچہ دار مکان نہایت عمدہ

فرہنگِ آصفیہ

جلد اول و دوم

الف تا ش

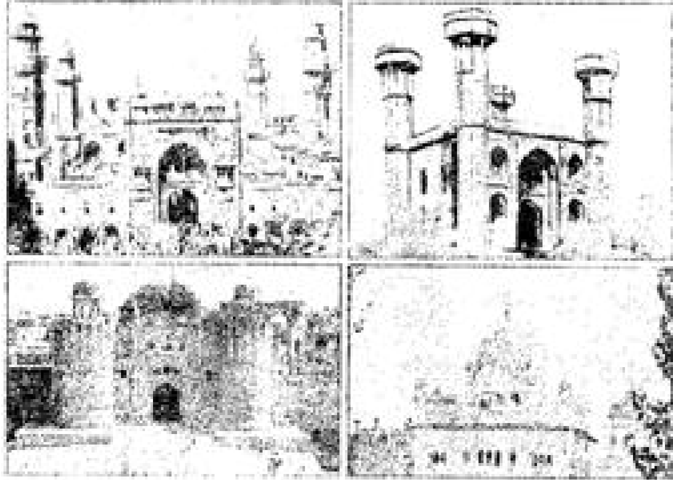
مرتبہ

مولوی سید احمد دہلوی

اردو سائنس بورڈ
299 - اپر مال، لاہور

تاریخ لاہور

سیّد محمد لطیف



۳۹۵

۳۹۴

تاریخِ لاہور

سید محمد لطیف



تخلیقات

اکرم آرکیڈ، ۲۹۰ ٹمپل روڈ (اصفاں والا چوک) لاہور، پاکستان فون: ۷۲۳۸۰۱۳

دروازہ موجود ہے۔ چبوترے اور چار دیواری کے درمیان زائرین کے لیے خالی جگہ چھوڑی گئی ہے۔ اس چبوترے کے چاروں طرف سنگ سرخ کی جالیاں لگائی گئی ہیں۔ اس چار دیواری کے شمال میں ایک مینار میں قدم رسول کا عکس انتہائی عقیدت و احترام کے ساتھ رکھا گیا ہے اور اس کے مغرب کی طرف ایک مسجد ہے(50)۔ "حقیقت الفقراء" کے مصنف پیر محمد کے مطابق لال حسین اکبر کے دور میں یہاں آباد ہوئے۔ وہ دریائے راوی کے پار موضع شاہدرہ کے ایک برہمن لڑکے مادھو پر فریفتہ ہوگئے۔ ان کی اس لڑکے کے ساتھ بے انتہا محبت کی وجہ سے اس روز سے اس کا نام اس صوفی بزرگ کے نام کے ساتھ منسلک ہوگیا۔ مادھو مسلمان ہوگیا اور اس کا مزار بھی اپنے مذہبی پیشوا کے مزار کے ساتھ واقع ہے(51)۔ حضرت لال حسین کی کرامات کے بارے میں بہت سی کہانیاں بیان کی جاتی ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی راتیں دریائے راوی میں کھڑے ہو کر قرآن پاک کے زبانی دور کر کے گزارا کرتے تھے۔ آپ 1008 ہجری بمطابق 1599ء میں فوت ہوئے اور شاہدرہ میں دفن کیے گئے۔ چند سال بعد ان کی پیش گوئی کے مطابق ان کی قبر کو دریائے راوی کا سیلاب بہا کر لے گیا۔ مادھو نے آپ کے جسد مبارک کو نکالا اور انتہائی عقیدت و احترام کے ساتھ موجودہ مقام پر دفن کیا۔

دارا شکوہ حضرت لال حسین کے بارے میں لکھی گئی اپنی مشہور زمانہ تصنیف "شطحیات دارا" میں بیان کرتا ہے کہ شہزادہ سلیم اور اکبر کے حرم کی بیگمات ان کے روحانی کمالات پر یقین رکھتے تھے اور ان کی انتہائی عقیدت و احترام کرتے تھے۔ شہزادہ سلیم نے خصوصی طور پر اپنے دربار کے ایک افسر بہار خان کو اس صوفی بزرگ کی روزمرہ کی کارروائیوں کو قلمبند کرنے کے لیے مامور کیا اور یہ تصنیف جسے "بہاریہ" کہا جاتا ہے، حضرت لال حسین کے بارے میں دلچسپ معلومات سے بھرپور ہے۔

بسنت اور چراغاں کے میلے :- لاہور کے دو عظیم میلے جنہیں بسنت اور چراغاں کہا جاتا ہے اس مزار پر منعقد ہوتے ہیں۔ لوگوں کو ابھی تک یاد ہے کہ اس جگہ بہار یہ رنجیت سنگھ کے دور میں بسنت (جس کا مطلب بہار ہے) کی آمد پر کس قدر جشن اور خوشیاں منائی جاتی تھیں۔ جب جشن بسنت مہاراجہ اس کے امراء اور فوجی دستوں کے علاوہ ہر کوئی زرد پوشاک میں ملبوس ہوتا تھا۔ مہاراجہ اس خانقاہ پر حاضری کے وقت 1,100 روپیہ نقد اور دو زرد شالوں کا جوڑا نذرانے کے طور پر پیش کرتا تھا۔

[illegible] نواب زکریا خان :- اس خانقاہ کے غربی جانب محمد شاہ کے دور حکومت میں لاہور

مقبرے پر جاری ہے۔

سمادھ بھائی وستی رام :- یہ سمادھ قلعہ کی شمالی دیوار کے قریب واقع ہے۔ بھائی وستی رام، مہاراجہ رنجیت سنگھ کا روحانی پیشوا تھا۔ یہ سمادھ فن تعمیر کا ایک انتہائی خوبصورت و یادگار نمونہ ہے۔ اس سے ملحقہ ہشت در ایوان اور کمرے بالکل صحیح اور عمدہ حالت میں ہیں۔

سمادھ حقیقت رائے :- یہ لاہور سے دو میل کے فاصلے پر مشرقی جانب موضع کوٹ خواجہ سعید کے مشرق میں واقع ہے۔ حقیقت رائے سترہ سال کی عمر کا ایک ہندو لڑکا تھا۔ وہ حاکم لاہور نواب خان بہادر کے دور میں ایک مدرسہ میں پڑھتا تھا۔ اس کا مسلمان لڑکوں سے جھگڑا ہو گیا اور اس نے ان لڑکوں کی طرف سے دیوتاؤں کے لیے ناشائستہ زبان استعمال کرنے کے رد عمل کے طور پر جواباً اسی قسم کے کلمات کہہ ڈالے۔ اس کو قاضی کے پاس لے جایا گیا۔ اس نے پیغمبر کے خلاف ناشائستہ زبان استعمال کرنے پر اس کو سزائے موت سنا دی۔ یہ معاملہ حاکم لاہور کے سامنے پیش ہوا تاہم اس نے قاضی کے فیصلے کی توثیق کرتے ہوئے اعلان کیا کہ اگر یہ لڑکا اسلام قبول کر لے تو اس کی سزا معاف ہو سکتی ہے۔ حقیقت رائے اپنے آباؤ اجداد کے مذہب پر خلوص دل سے کاربند تھا۔ اس نے دین اسلام کی دعوت کو رد کر دیا اور پھانسی چڑھ گیا۔ ہندو اس کے مقبرے کی بہت زیادہ تعظیم کرتے ہیں اور کثیر تعداد میں جا کر اس کے آگے سر جھکاتے ہیں۔ اس سمادھ پر بسنت یا بہار کا سالانہ میلہ منعقد ہوتا ہے۔

سمادھ مہاراجہ شیر سنگھ :- یہ سمادھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی تعمیر کردہ بارہ دری شاہ بلاول (۱۱۶)، کے مغرب میں واقع ہے۔ اس سے کسی قسم کی تعمیراتی تصنع یا بناوٹ کا اظہار نہیں ہوتا۔ یہ پختہ اینٹوں کی ایک سادہ سی سمادھ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سندھیانوالیہ سرداروں کے ہاتھوں شیر سنگھ کے قتل کے بعد اس وقت باقاعدہ طور پر کوئی حکومت موجود نہیں تھی اور جو لوگ عظیم مہاراجہ کے مشہور و معروف بیٹے کے شایان شان اس کی یادگار تعمیر کرنے میں دلچسپی لیتے تھے، ان کو اپنے ارد گرد پھیلی سازشوں سے فرصت نہیں مل رہی تھی۔ لہٰذا وہ عمارات کی تعمیر کے بارے میں سوچ نہیں سکتے تھے۔ یہ جگہ اس لیے بھی تاریخی لحاظ سے دلچسپی کی حامل ہے کہ یہ جگہ المیہ کا مقام ہونے کے باعث کچھ لوگوں کی وجہ سے پنجابی تاریخ کے اوراق میں سب سے سبقت لے گئی ہے اور اس کے بعد آنے والی خونریزیوں، سازشوں اور ہنگامہ آرائیوں نے پنجاب میں رنجیت سنگھ کی سوجھ بوجھ کے تحت قائم کردہ طاقتور حکومت کو اتنی تیزی سے ختم کیا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ شیر سنگھ کی سمادھ کے گنبد کی غربی جانب اس کی بیوی، رند ھاوی کی سمادھ ہے۔ اس سمادھ کے دروازے پر

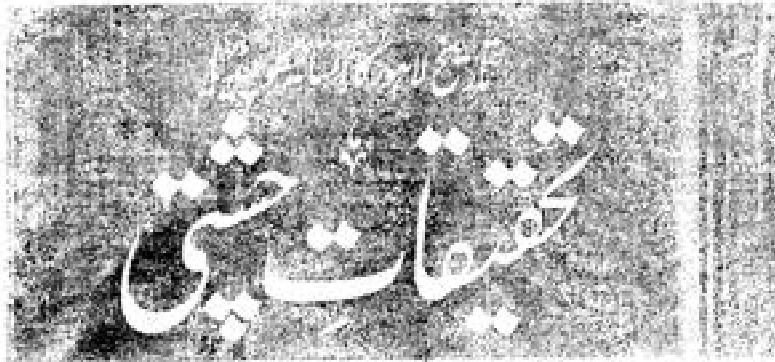
6 فروری کو بسنت کا تہوار بڑی شان و شوکت سے منایا گیا۔ اس کا مطلب عام طور پر موسم بہار ہوتا ہے۔ رنجیت سنگھ نے اس موقع پر ہمیں مدعو کیا۔ ہم اس کے ہمراہ ہاتھیوں پر سوار ہو کر خوشیوں کا مظاہرہ دیکھنے گئے جو دیگر علاقوں کی طرح موسم بہار کی آمد پر منائی جاتی ہیں۔ پنجاب کے فوجی دستے قطاروں کی صورت میں کھڑے تھے اور انہوں نے دو میل طویل ایک گلی کی شکل بنائی تھی اور اس کے آخری سرے تک جانے کے لیے تیس منٹ درکار ہوتے تھے۔ فوج، باقاعدہ فوجی دستوں، سواروں، پیدل فوج اور توپ خانے پر مشتمل تھی۔ پوری فوج نے پیلے رنگ کا لباس یکساں طور پر پہنا ہوا تھا۔ یہ اس تہوار کا مخصوص لباس تھا۔ مہاراجہ قطار کے قریب سے گزرا اور اپنی فوجوں کی سلامی لی۔ ہمارا راستہ مکمل طور پر ناہموار سطح زمین پر واقع پرانے لاہور کے کھنڈرات میں سے ہو کر جاتا تھا۔ لہٰذا اس وجہ سے قطار میں ہیر کی سی شکل پیدا ہو گئی تھی اور اس چیز نے منظر کی خوبصورتی میں بھی اضافہ کر دیا تھا۔ اس علاوہ از قطار کے آخر پر زرد خاصیوں سے مزین شاہی خیمے نصب تھے۔ ان کے درمیان ایک لاکھ روپے مالیت کا چھپر کٹ تھا۔ اس کو سچے موتیوں سے آراستہ کیا گیا تھا اور قیمتی پتھروں کا حاشیہ لگایا گیا تھا۔ اس سے بڑی کوئی چیز تصور میں نہیں آ سکتی تھی۔ اس کے ایک کونے میں رنجیت سنگھ بیٹھ گیا اور گرنتھ پڑھنے لگا۔ یہ تقریباً دس منٹ تک پڑھی گئی۔ اس نے ہمنت کو نذرانہ پیش کیا اور مقدس کتاب کو دس مختلف رنگوں کے غلافوں میں لپیٹ کر رکھ دیا گیا۔ بالائی غلاف تہوار کی مناسبت سے پیلے رنگ کی مخمل کا تھا۔ بادشاہ کے سامنے پھل اور پھول رکھے گئے اور زرد پھول پیدا کرنے والی ہر جھاڑی اور درخت کو اس کی خوبصورتی سے محروم کر دیا گیا۔ مجھے اس کی کوئی وجہ معلوم نہ ہو سکی کہ اس قدر سادہ رنگ کیوں منتخب کیا گیا ہے لیکن شاید یہ ایک حکمران کی من مانی تھی۔ اس کے بعد زرد لباس میں ملبوس اس کی فوج کے کمانڈر اور امراء مال و زر کی صورت میں نذرانے پیش کرنے کے لیے آئے۔ کابل کے معزول بادشاہوں، شاہ زماں اور شاہ ایوب کے دو بیٹے داخل ہوئے اور کچھ دیر تک گفت و شنید کی۔ اس کے بعد ملتان کا نواب بھی زرد لباس میں ملبوس اپنے پانچ بیٹوں کے ہمراہ خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے آیا۔ اس کا شاندار استقبال کیا گیا۔ یہ وہی شخص تھا جو کابل کی مہم میں خوفزدہ ہو گیا تھا اور اب مہاراجہ رنجیت سنگھ کا وفادار غلام ہے۔ اس کا نام سرفراز خان ہے۔ بہاولپور اور سندھ کے نمائندے اپنی باری پر حاضر ہوئے۔ رقص کرتی ہوئی لڑکیوں نے اس تہوار کے

سے پانی کا دلکش بہاؤ، درختوں کا شاداب اور گہرا سبز نظارہ اور باغ کا حسن اور اس میں شامل لوگوں کے رنگ برنگے زرق برق لباس، دوستوں کی ٹولیاں اور جاتی ٹولیاں۔ سبزے پر بیٹھے ساتھیوں کے کچھ کچھ کھاتے، کچھ پیتے اور کچھ موسیقی سنتے یا مختلف کرتب دیکھتے ہوئے لوگ مزید اضافہ کرتے ہیں اور شاہجہاں کا یہ شاداب باغ، پریوں کا دیس معلوم ہوتا ہے اور اس میں اتنی دلکشی اور خوبصورتی پیدا ہو جاتی ہے جو صرف دیکھی جا سکتی ہے، اسے بیان کرنا محال ہے۔ لاہور کے مضافاتی اضلاع، امرتسر، گوجرانوالہ، فیروزپور اور ملتان سے لوگوں کی بڑی تعداد اس میلے میں شریک ہوتی ہے اور گھوڑوں کی نمائش کا انعقاد ہوتا ہے۔ اس میں بہترین نسل کی گھوڑی اور بچھیرے پر حکومت کی جانب سے انعامات دیے جاتے ہیں۔ تخمینہ لگایا ہے کہ میلے میں تقریباً 50.000 لوگ شریک ہوتے ہیں۔

بسنت: بسنت کا میلہ جنوری میں شالامار باغ کے نزدیک حضرت مادھو لال حسین کے مقبرہ کے احاطہ میں منعقد ہوتا ہے۔ اس میں شہر اور مضافاتی دیہات کے تقریباً دس ہزار افراد شریک ہوتے ہیں۔ مسلمان حضرت مادھو لال حسین کی خانقاہ پر خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور ہندو اس کے نزدیک حقیقت رائے کی سمادھ کی پوجا کرنے کے لیے آتے ہیں لیکن یہ میلہ بذات خود دونوں مذہبوں کے لوگوں کا امتزاج ہوتا ہے۔ اس میلہ کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور میں بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا تھا۔ جہاں آئے ہوئے سبھی لوگ زرد لباس میں ملبوس ہوتے تھے اور مہاراجہ اور اس کے درباری بھی خود بھی لباس پہنے ہوتے تھے۔ شہر سے شالامار باغ تک کی سڑک کے دونوں جانب کھیتوں میں سرسوں کاشت کی ہوتی تھی اور اس کے زرد پھول میلوں تک لہراتے ہوئے نظر آتے تھے۔ جب اس منظر میں سرداروں اور فوج کے دوسرے سپاہیوں کے لباس کا زرد رنگ بھی شامل ہو جاتا تھا تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ لاہور سے شالامار باغ تک کا پورا منظر نہایت خوبصورت اور دلکش ہوتا تھا(10)۔

عید کے تہوار: عید الفطر کا تہوار جو رمضان المبارک کے بعد آتا ہے اور حج کے بعد عید الاضحی کا تہوار، دونوں میں خالصتاً مسلمان اکٹھے ہوتے ہیں اور یہ میلے موچی دروازے کے باہر حضرت شاہ ابو المعالی کے مزار پر منعقد ہوتے ہیں۔

قدموں کا میلہ: "قدموں کا میلہ" کے نام سے مشہور میلہ فروری میں نئے چاند کے بعد چھٹے دن کو انار کلی میں واقع حضرت سخی سرور کے مزار پر منعقد ہوتا ہے۔ ڈھول بجانے والے لوگوں کا گروہ، جنہیں شیخ کہا جاتا ہے، نہایت زور شور سے ڈھول بجاتے اور رقص کرتے ہیں۔ جن صوفی بزرگ کی یاد میں یہ میلہ منعقد ہوتا ہے ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ چھوٹے بچوں کے سرپرست تھے





تاریخ لاہور کا انسائیکلوپیڈیا

تحقیقاتِ چشتی

تالیف

نور احمد چشتی

الفیصل
ناشران و تاجرانِ کتب
اردو بازار لاہور

(ص ۵۸) ناظرین با تمکین پر ظاہر ہوگا اور حال ارادت عقیدہ اور مسلمانوں کا اس جناب میں اس قدر ہے کہ کوئی دم نہیں مار سکتا اور حضرت کی خانقاہ پر فی زمانہ دو میلے ہوتے ہیں۔ ایک تو چراغوں کا میلہ دوسرا بسنت کا۔

میلہ چراغاں

چراغوں کے میلے کا تو یہ حال ہے کہ کئی میلوں سے ہزارہا مخلوقات بالکل تمام مائل زیارت ہو کر آتے ہیں اور باوجود اس قدر وسعت باغ شالا مار کے وہاں قدم رکھنے کی جگہ اس روز نہیں رہتی۔ سبحان اللہ! اس روز وہاں عجب لطف ہوتا ہے کہ بوٹے بوٹے کے نیچے ناچ و راگ و رنگ ہوتا ہے اور ایک دن اور ایک رات زائرین و حاضرین کی کثرت کا یہ حال ہوتا ہے اور باغ اور مقام خانقاہ پر اور وہاں سے تا دروازہ لاہور اس قدر اژدہام مخلوق کا ہوتا ہے کہ [illegible] کے جو مانند دیدہ۔

اور اس ایام میں بھی باوجودیکہ خلق بے کاری سے نالاں ہے "امرتسر سے بسواری ریل ساٹھ ستر ہزار آدمی تخمیناً" شریک جلسہ چراغاں ہوتا ہے۔ اور سواران یکہ و پیدل و بگھی و اونٹ وغیرہ ریل سے علیحدہ آتے جاتے ہیں۔ اور خرید و فروخت اشیائے حلوائیاں کا کیا خیال کیا جاوے۔

"اس روز تمام حکام ضلع و افسران پولیس وہاں بندوبست کے واسطے رونق افروز رہتے ہیں اور اس روز ایک دکان آبکاری کی بھی وہاں قائم ہوتی ہے۔ خیال کرنا چاہئے کہ شرفا ایسے میلوں پر ادھر میل کم کرتے ہیں' اور جو کرتے ہیں سو مطعون خلائق اور عاصی من اللہ ہوتے ہیں۔ مگر تاہم بھی اس روز دن رات میں ہزارہا روپیہ کی شراب فروخت ہو جاتی ہے۔ اس روز یہاں تک کہ نظر کام کر سکتی ہے۔ ملبوسات فاخرہ ہر شخص کے زیب تن ہوتے ہیں حتی کہ جو شخص رات کے کھانے کا بھی محتاج ہوتا ہے وہ بھی اس روز نواب وضع بن کر نکلتا ہے۔ قلم کا کیا یارا کہ اس میلے کا حال مفصل لکھے بلکہ میں جانتا ہوں کہ اسے قصور سے یہ قلم روسیاہ اور بریدہ سر مقدوح الاسان ہے اور اس روز بسنت کا حال بھی قیاس علی ھذا۔"

چنانچہ آج تاریخ ۱۲ جنوری بروز سہ شنبہ (ص ۵۹) حضرت کا عرس مبارک بتقریب بسنت تھا اور یہ کمترین بھی آستانہ بوسی کے واسطے مشرف ہوا تھا۔ کیا بیان کروں کہ کس قدر انبوہ یکہ و بگھی و حاجتی و گھوڑا کا تھا۔ دہلی دروازہ سے تا شالامار برابر خلق اللہ کی

اور قلی پھینکا زمین پر نہ کرتا تھا۔

آج بندہ کو بھی یہاں سے ایک عزت خداداد بعید حاصل ہوئی اور وہ یہ ہے کہ آج چند سال سے مجھ روسیاہ ہیچ و ہیچ میرز کو روز عرس مبارک حضرت پیر علی گنج بخش ہجویری رحمتہ اللہ علیہ ان کی جناب سے دستار کو عریاں کہ جس کو سرخ کہتے ہیں ملتا ہے۔ آج اس جناب مستطاب سے بھی فدوی کو معرفت حسن علی شاہ سجادہ نشین دستار بسنتی اس وضع سے عطا ہوئی کہ حضرت سجادہ نشین حضرت کی خانقاہ کی پالکی کی طرف تشریف فرما ہوئے اور براہ نوازش اول دعا فرمائی۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرماویں گے اور یقین کلی ہے کہ اس سال میں اگر بخت یاور ہوئے تو ضرور فرزند ارجمند و سرفراز مجھ کو عطا ہوگا۔

الغرض بعد دعا سجادہ نشین صاحب نے نذر پیش کردہ فقیر قبول فرمائی اور سرار حافظ اللہ میں دستار بسنتی مجھے پہنائی اور میں نے فخر دو جہاں سمجھ کر اپنے سر پر باندھی۔ علاوہ براں یہ ایک اور لطف ہوا کہ اس وقت بعد دعا سجادہ نشین صاحب نے حضرت کے خزانہ موجودہ سے مجھے تبرک اس طرح سے عنایت کیا کہ میں نے دامن اپنا پھیلایا اور انھوں نے پھول اور کوڑیاں وغیرہ ملا ہوا میرے دامن میں ڈالا۔ جب گھر میں آکر دیکھا تو سوائے ریوڑی و گل وغیرہ کے تین آنہ کی کوڑیاں اور پونا آنہ یعنی تین پیسے ڈبل اس میں سے نکلے۔ اب میرا یہ ارادہ ہے کہ اس کے عوض میں ایک چوانی خریدوں اور گھر میں تبرکاً رکھوں۔ پھر جب مجھے اللہ تعالیٰ فرزند عنایت کریں تو وہ چوانی اس کے زیب گلو کروں۔

سبحان اللہ! زہے طالع میرے کہ مجھے اس قدر شرف اور عزت مع دستار حاصل ہوا۔
اس کے شکریہ میں کس دھن و زبان سے شکریہ ادا کروں:

اگر ہر موئی من گردد زبانی وزاں رانم بہریک داستانی
نیارم کرد شکرت را [illegible] سر موئی ز احسانت تو گفتن

مجھے حسب الارادت خود آج وہ خوشی ہے کہ خدا ہی جانتا ہے۔ الحمدللہ علی احسانہ۔

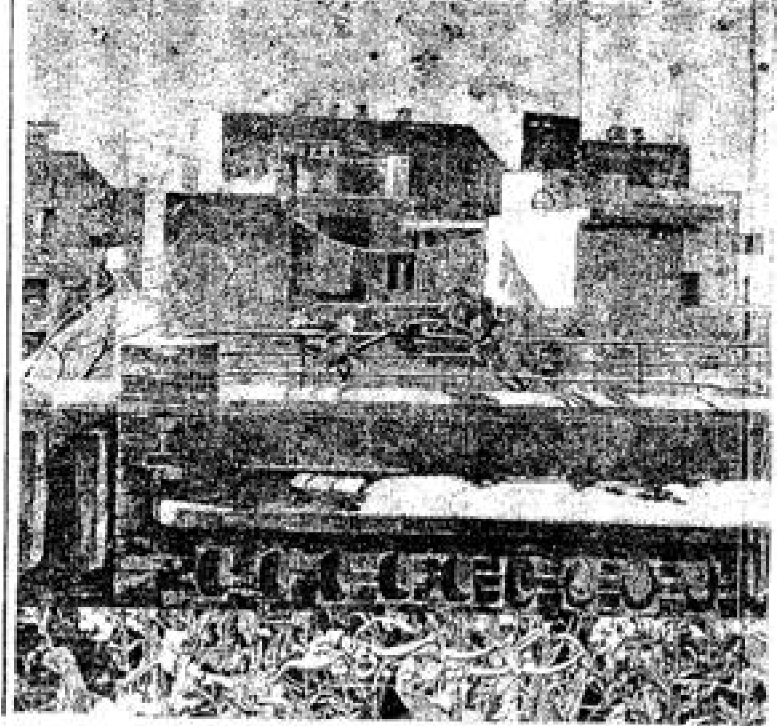
سکھوں کی عملداری میں بسنت کا میلہ

قدیم بر سر مطلب کہ روز بسنت بعہد عملداری سکھاں مہاراجہ صاحب بہادر کا یہ معمول تھا کہ تمام امیروں و رئیس و افواج کو حکم ہوتا تھا کہ وردی و لباس بسنتی پہنیں، اور زین و عروج و [illegible] وغیرہ تمام بسنتی ہوا کرے اور ہر شخص یعنی فاقہ زدہ [illegible] سے [illegible] کیا کرتا تھا۔ اور یہاں مزار پر انوار حضرت شیخ [illegible] بسنتی استادہ (ص ٦٠) ہوا کرتے تھے۔ اور [illegible] تا مزار پر انوار دو رستہ فوج در لباس بسنتی مجلس جم

جاتی تھی۔ اور ماسوا اس کے ہر امیر و رئیس خود مع ملازمین بسنتی پوش ہوا کرتے تھے اور رعایائے شہر [illegible] میں سے ایسا کوئی کمبخت ہوتا ہوگا کہ پارچہ بسنتی اس روز نہ پہنتا ہو گا۔

رنگریزان شہر اس روز میں برس بھر کی روزیاں کما لیتے تھے، یعنی تیاری ایک رنگ میں ایک دمڑی کی صندلی خرچ کر کے کم از کم چار آنہ فی دستار نرخ کر دیا کرتے تھے۔ اور امیروں کا حال تو نرالا ہوتا ہے مجھے بخوبی یاد ہے کہ بعد مہاراجہ شیر سنگھ بروز بسنت ٢ حضور بخدمت راجہ دینا ناتھ صاحب کے گیا ہوا تھا اس اثناء میں رنگریز ان کی دستار رنگ کر لایا تو انھوں نے اس کو پانچ روپیہ تک شاہی عنایت کئے پھر بھی وہ خوش نہ ہوا بلکہ کہنے لگا کہ مہاراجہ پانچ روپیہ تو جمعدار اور صوبیدار فوج کے بھی ہم کو دے گئے ہیں میں تو زیادہ کا امیدوار تھا۔ یہ سن راجہ صاحب متبسم ہوئے اور ایک پنڈ قیمتی پچاس روپے کا اس کو عطا فرمایا۔

جب اس طرح فوج جم جاتی تو بوقت دو بجے سواری مہاراجہ کی قلعہ سے نکلتی اور تمام مخلوقات جو منتظر دیدار سرکار ہوتے تھے، جب آواز توپہا و شلک سلامی سنتے تو مشتاق بیتاب ہو کر خندہ زن ہوتے۔ جب مہاراجہ کی سواری میلہ میں آتی تو یہ لطف ہوتا تھا کہ اب اس کی یاد میں چشم آب ہو آتی تھی۔ کم از کم ساٹھ ستر ہاتھی اور چار پانچ سو گھوڑا بازین ہائے مرصع و تمام ڈیرہ سواران چار یاری اور دو رجمنٹ پیدل اردلی جلو میں ہوا کرتی تھیں اور شاہ سے گدا تک ہر ایک شخص بسنتی پوش ہوا کرتا تھا، بلکہ در و دیوار بھی بسنتی نظر پڑتے تھے۔ اور مہاراج مٹھیاں روپیوں کی بھر بھر کر تصدق کرتے اور پھینکتے ہوئے تا مزار پر انوار حضرت حسین کے پہنچتے اور بعد سواری سے اتر "پیادہ ہو" بارادت تمام "مع روسائے عالی مقام" بر برہنہ "خانقاہ کے دروازے سے اندر جاتے تھے۔ پھر شلک سلامی کی ہوتی تھی۔ پھر گیارہ سو روپیہ نقد مع دو شالہ بسنتی خانقاہ پر نذر چڑھا کر "ابھی سالی کے بعد رونق افزائے خیمہ شاہی ہوتے تھے۔ وہاں عرش سے فرش تک تمام بسنتی اشیاء موجود و حاضر ہوتی تھیں۔ پھر حسب معمول خود یعنی ایک روز دسہرہ اور دوسرے روز بسنت، تمام ملازمین سے نذریں علی قدر مراتب لے کر پارچہ خلعت ہائے فاخرہ ہر ایک کو سرفرازی بخشتے تھے۔ اور پھر عطر [illegible] کمال طور شروع جشن ہوا کرتا تھا۔ پھر ارباب نشاط [illegible] تمام طوائفان لاہور و امرتسر و حسب الحکم اس روز وہاں حاضر ہوا کرتی تھیں، مجرائے شاہانہ ادا کر کے نوبت بنوبت حسب ترتیب تفریح طبع سرکار عالی میں مشغول ہو کر بانعامات



بسنت

لاہور کا ثقافتی تہوار

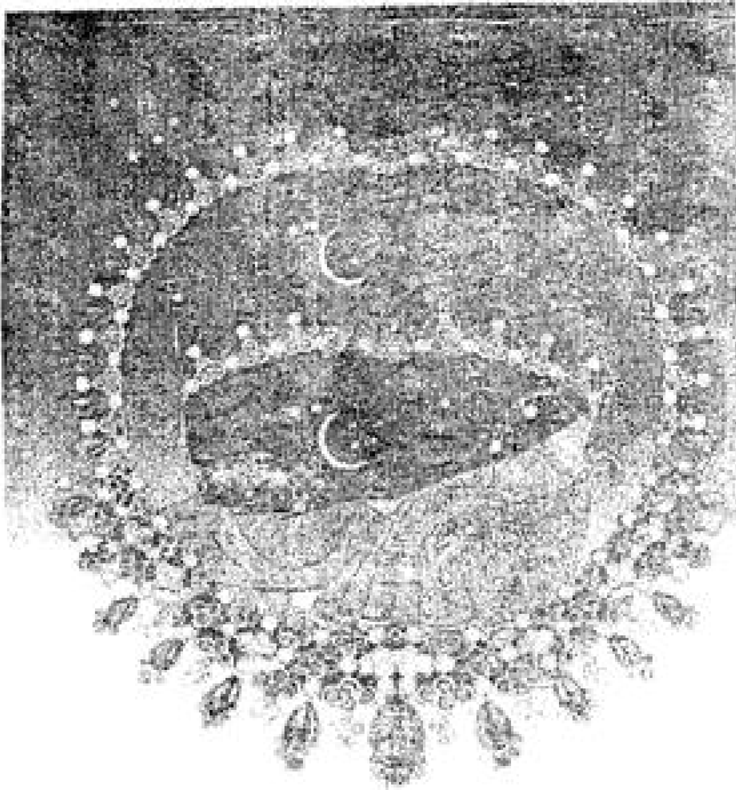
نذیر احمد چوہدری

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

احساس کو بالیدگی اور آسودگی فراہم کرنے کے بھی کئی پہلو اجاگر ہوتے تھے۔ بعض مغل شہنشاہوں اور شہزادوں نے پتنگ بازی کے شوق کو مقبول عام بنانے کے لئے یہ اختراع وضع کی کہ خالص سونے کے چھلے اور انگوٹھیاں پتنگوں کے ساتھ باندھ دیئے جاتے تھے۔ سنہری چھلوں کی خاطر عوام میں پتنگ لوٹنے کا رواج عام ہوا اور ان کے لئے صرف منفعت کش سود افتخار ایسا کرنے سے وہ غیر شعوری طور پر پتنگ بازی کی جانب راغب ہونے لگے۔ اس طرح پتنگ بازی کا مشغلہ غیر شعوری طور پر ایک نفع بخش اور تفریح کھیل کا روپ دھار گیا جس کا آج کل کی پتنگ بازی سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اس کھیل سے عوام الناس کو نہ صرف شاہی قربت نصیب ہوتی بلکہ بادشاہوں اور شہزادوں کو بھی رعایا پروری کی سماجی شہرت دوام حاصل ہوتی۔

لاہور میں بسنت کو بطور تہوار منانے کا آغاز ۱۷۴۷ء میں ہوا۔ ایک روایت کے مطابق ایک ہندو لڑکے حقیقت رائے دھرمی کی یاد میں یہ ہندوؤں نے پیلے رنگ کے کپڑے پہن کر حاضری دی۔ حقیقت رائے ایک نوجوان کا تعلق سیالکوٹ سے تھا وہ اس وقت کے رواج کے مطابق مسلمانوں کے ساتھ تعلیم حاصل کرتا تھا۔ مکتب میں کسی بات پر اس کا جھگڑا کسی مسلمان طالب علم سے ہو گیا جس کے بعد حقیقت رائے نے حضور اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کی۔ چنانچہ یہ مقدمہ لاہور کے ایک قاضی کی عدالت پیش ہوا۔ دوران مقدمہ اس نے یہ موقف پیش کیا کہ مسلمان طالب علم نے پہلے ان کے اوتاروں اور دیوتاؤں کی توہین کی تھی مگر وہ قاضی کو دلائل سے قائل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قاضی نے حقیقت رائے کو سزائے موت سنا دی۔ چنانچہ ۱۷۴۷ء میں اسے لاہور میں پھانسی دے دی گئی۔ جس جگہ اسے پھانسی دی گئی وہ گھوڑے شاہ (باغبانپورہ) کے علاقہ میں تھی۔ ہندوؤں کے نزدیک حقیقت رائے نے ہندو دھرم اور دیوتاؤں کے لئے قربانی دی تھی اس لئے انہوں نے اس دن گستاخ رسول کی یاد منانے کے لئے رنگ اکھیر کر پتنگ بازی کی اور اس کا نام بسنت رکھا۔ بعد میں اس جگہ پر ایک مندر تعمیر کیا گیا جہاں اس کی موت کے دن ہندو مرد و زن زرد رنگ کی پگڑیاں اور عورتیں زرد رنگ کی ساڑھیاں پہن کر حاضری دیتیں اور رسمیں ادا کرتیں۔

پتنگ بازی کا عمل اب صرف بسنت کے دن پر ہی موقوف نہیں رہا بلکہ اب یہ کئی دنوں بلکہ ہفتوں تک جاری رہتا ہے۔ پتنگ کے شائقین نے اب اسے اس اعتبار سے تقسیم کر لیا ہے کہ اگر ایک ہفتے لاہور میں پتنگ بازی ہو گی تو دوسرے ہفتے قصور میں اور تیسرے ہفتے گوجرانوالہ یا سیالکوٹ میں بسنت کا تہوار منایا جائے گا۔ اس طرح یہ



مغل شہنشاہوں کے شب و روز

سید صباح الدین عبدالرحمن

مغل شہنشاہوں کے شب و روز

مصنف

سید صباح الدین عبد الرحمن

نگارشات ○ میاں چیمبرز ○ 3- ٹمپل روڈ ○ لاہور

فون : 042-6305241-6362412 فیکس : 042-6312968

E-mail:nigarshat@yahoo.com

بادشاہ نامہ میں ہے:۔

"روز دوشنبہ سلخ شوال کہ روز تیر از ماہ تیر بود جشن گلابی اتفاق یافت بادشاہ زادہ ہائے کامگار و یمین الدولہ صراحی ہائے مرصع و دیگر نوئینان نامدار صراحیہائے میناکار و زریں بہ تسلیم در آوردہ بگلاب و عرق فتنہ و عرق بہار از نظر مقدس گزرانید۔"

(ج ۱ ص 204)

یہ عید گلابی اورنگزیب بھی مناتا تھا۔ شہزادے اور امراء مرصع اور میناکار صراحیوں میں گلاب بھر کر اس پر چھڑکا کرتے تھے۔ (عالمگیر نامہ ص 623)

شاہانہ جشن کے فوائد ان جشنوں میں جن تکلفات کا مظاہرہ ہوتا رہا، وہ اسلامی نقطہ نظر سے سراسر اسراف اور لہو و لعب ہے، اور یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا اس قسم کے مسرفانہ اور عیاشانہ تکلفات سے سلطنت کی بنیاد کو کھلی نہیں ہو گئی؟ اس پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں، لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان سے ایک شاندار تہذیب و تمدن کا ضرور اندازہ ہوتا ہے، حکمران طبقہ تو اس نمود و نمائش کے ذریعہ سے اپنی شان و شوکت کا اظہار کرتا تھا، لیکن اس زینت و آرائش میں جو حسن سلیقہ ظاہر ہوتا وہ اس ملک کی تہذیبی اور تمدنی کا ضرور عنصر بنتا چلا گیا، اور آج بھی کسی موقع پر جو شان و شوکت اور نفاست و لطافت دکھائی دیتی ہے، وہ اسی تمدن کی یادگار ہے، پھر ایسے موقع پر جو تحائف پیش کیے جاتے، جو فرش و فروش بچھائے جاتے، زینت و آرائش کے جو سامان کیے جاتے، حتیٰ کہ آتش بازی کے جو تماشے دکھائے جاتے، ان سے صنعت و حرفت کو بڑا فروغ ہوتا، ان میں بعض صنعتیں اب بھی موجود ہیں، جو اس دور کی تہذیبی ہماہمی کی یاد دلاتی رہتی ہیں۔

ہندوؤں کے تہوار ہندوؤں کے تہوار مسلمانوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں، اور ہر مہینہ میں ان کے یہاں مختلف قسم کے تہوار ہیں، مسلمانوں کے دور حکومت میں وہ اپنے ہر ایک تہوار کو قدیم شان اور روایات کے ساتھ مناتے رہے، اس طویل زمانے میں صرف ایک مثال فرخ سیر کے عہد میں ملتی ہے کہ احمد آباد میں ہولی کے موقع پر ہندوؤں اور مسلمانوں میں فساد ہو گیا، مگر ورنہ عام طور سے مسلمان حکمرانوں اور مسلمان عوام کی طرف سے ہندوؤں کے تہواروں کے منانے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہوئی، بلکہ البیرونی اور ابوالفضل نے ان تہواروں [illegible] ذکر کر کے رواداری اور فراخدلی کا ثبوت دیا ہے، مسلمان عوام کا میل جول ہندوؤں کے ساتھ بڑھتا گیا تو وہ بعض تہواروں میں دلچسپی بھی لینے لگے، ذیل میں ہم صرف خاص خاص تہواروں [illegible] کرنے پر اکتفا کریں گے، جن کی تفصیل بیان کرتے وقت زیادہ تر مسلمانوں کی تصانیف سے استفادہ کیا گیا ہے، تاکہ یہ بھی اندازہ ہو کہ انہوں نے ان تہواروں کو کن نظروں سے دیکھا ہے۔

خوری کو دے دیتے [illegible] ہندی [illegible] رنگ کی اس پر [illegible] کر کے [illegible] اور [illegible] آتے ہیں [illegible] اکرام سے اپنے [illegible] میں آتے دیوالی ہو چکی۔"

دیوالی کو عام مسلمانوں نے جن نظروں سے دیکھا اس کا اندازہ نظیر اکبر آبادی کی نظموں سے ہو جاتا ہے۔

ہر اک مکاں میں جلا پھر دیا دوالی کا
ہر اک طرف کو اجالا ہوا دوالی کا
سبھی کے دل میں سماں بھا گیا دوالی کا
کسی کے دل کو مزا خوش لگا دوالی کا
عجب بہار کا ہے دن بنا دوالی کا

بسنت: ابوالفضل نے لکھا ہے کہ ماگھ کے مہینے میں [illegible] تہوار مناتے ہیں [illegible] بسنت [illegible] اس روز [illegible] ہندوستان میں [illegible] زمانے میں یہ تہوار ساون بھادوں میں منایا جاتا تھا۔

مسلمانوں نے بھی بسنت منانا شروع کیا اور اس کی ابتدا اس طرح بتائی جاتی ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے محبوب بھانجے مولانا تقی الدین نوح [illegible] عین شباب میں انتقال ہو گیا۔ حضرت خواجہ کو اس سے بڑا صدمہ پہنچا [illegible] امیر خسرو [illegible] مرشد [illegible] بسنت [illegible] سرسوں کے پھول [illegible] امیر خسرو [illegible] فارسی اور ہندی کے چند اشعار [illegible] سرسوں کے پھول [illegible] اشعار پڑھتے حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے [illegible] امیر خسرو [illegible] اشعار [illegible] سرسوں کے پھول [illegible] مولانا تقی الدین کے مزار [illegible] حضرت خواجہ کے مزار [illegible] اشعار میں ایک شعر یہ ہے۔

[illegible]

ہندو تیوہاروں کی اصلیت
اور
اُن کی جغرافیائی کیفیت

جس میں

[illegible] کی حالت [illegible] کی [illegible] اور عیسوی سنوں کی [illegible] کی [illegible] ہندوؤں کا زبردست اخلاقی اور تمدنی انتظام بیان کیا گیا ہے۔ اور ہندو تیوہاروں کی [illegible] کو ثابت کیا گیا ہے۔

مصنفہ

منشی رام پرشاد صاحب بی۔ اے
ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول گونڈہ

مصنف ابتدائی تعلیم کی رام کہانی، نئی تعلیم کا آئینہ، سو برس کی زندگی، وہ جاندار جو نظر نہیں آتے
وغیرہ وغیرہ

[illegible]

غذا ہے۔ اور حصول تندرستی کا خاص ذریعہ۔ اس زمانہ میں فصل میں کھیاں نکلنے کی سری گنیش اسے نہ یعنی ابتداء ہو کر سنکٹ یعنی فکر و پریشانی کم ہو جاتی ہے ✣

کرتیج یا کرچوتھ اس کے دس پندرہ روز بعد عورتیں ایک چھوٹا سا تیوہار کرتیج یا کرچوتھ کا مناتی ہیں اور اس روز بھی وہ سہاگ والی دیوی یعنی "گور" یا پارتبی جی کی پرستش کرتے اپنے خاوندوں کی زندگی اور آسائش کی دعا کرتی ہیں۔ اور خاندان کی بزرگ عورتوں کے واسطے لذیذ میٹھا کھانا بنا کر پیش کرتی ہیں ✣

بسنت پنچمی اب فصل کے بار آور ہونے کا اطمینان ہو چلا اور کچھ عرصہ میں کلیاں کھل کر تمام کھیت کی سبزی زردی میں تبدیل ہونے لگی اس لئے کاشتکار کے دل میں قدرتی اُمنگ اور خوشی پیدا ہوتی ہے۔ وہ زرد پھولوں کو خوش خوش گھر لا کر بیوی بچوں کو دکھاتا ہے اور پھر سب مل بسنت کا تیوہار مناتے ہیں اور زرد پھول اپنے اپنے کانوں میں بطور زیور لگاتے ہیں۔ اور خدا سے دعا

کرتے ہیں کہ "اے پرماتما ہماری محنت کا پھل عطا کر اور پھوٹے ہوئے درختوں میں پھل پیدا کر"۔

جانکی جنم مگر ابھی فصل کی تیاری میں ایک ماہ کا عرصہ باقی ہے اور پھاگن کی برشا بعض اوقات اوگن ہو جاتی ہے۔ یعنی اس مہینہ میں اولے پڑ کر کھیتی کو تباہ کر دیتے ہیں لیکن اسی پریشانی کے زمانہ میں جانکی جی کا جنم ہوا ہے۔ جو نہایت اطمینان کا باعث ہے اور ہندوؤں کا اعتقاد ہے کہ تکلیف اور مصیبت کے وقت ہمیشہ خدا کی طرف سے مدد ہو کر ہم کو شانتی ملتی ہے جانکی جی کا جنم قحط کے زمانہ میں ہوا تھا اور اُس وقت راجہ جنک کو خود ہل چلانا پڑا تھا۔ چنانچہ اُن کی پیدائش نے صرف قحط ہی کو دور نہیں کیا بلکہ راون کی ہلاکت کا باعث ہو کر تمام مخلوق کو عذاب سے نجات بخشی۔ لہذا یہ جانکی جنم اور گھبرائے ہوئے کاشتکار کے واسطے تسکین اور شانتی کا خاص باعث ہے۔

مہا شیو راتری اب کھیتوں میں اناج کی ابتدا ہوتی ہے۔ اور کاشتکار کو اطمینان ہونے



۹

فہرست

۱۶۴

"ہندوستان کی رسم کے مطابق انہوں نے گھوڑوں کو سجایا اور میرے سامنے پیش کیا۔ جب میں گھوڑوں کا معائنہ کر چکا تو وہ ہاتھی لائے۔"

اورنگ زیب کے جانشینوں کے عہد میں یہ تہوار دربار میں منایا جاتا تھا۔ جہاندار کے عہدِ حکومت میں لنکا شہر کے مشابہ ایک لکڑی کا ڈھانچہ تیار کیا جاتا اور اس میں آگ لگائی جاتی تھی۔ اور بادشاہ اس منظر کے دیکھنے سے بڑی دلچسپی رکھتا تھا۔ اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ ظفر کے دربار میں اس جشن کا منظر ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔

"دسہرے کے دن بادشاہ نے دربار کیا، پہلے ایک نیل کنٹھ بادشاہ کے سامنے اڑایا گیا۔ بازخانے کا داروغہ باز اور شکرے لے کر آیا۔ بادشاہ نے باز لے کر ہاتھ پر بٹھایا۔ دربار برخاست ہوا۔ تیسرے پہر اصطبل خاص کا داروغہ خاص گھوڑوں کو مہندی سے رنگ رنگا رنگ برنگ کی نقاشی کر، سونے روپے کے ساز لگا کر جھروکوں کے نیچے لایا۔ بادشاہ نے گھوڑوں کا ملاحظہ کیا سوار و غیرہ کو انعام دے کر رخصت کیا۔"

امراء اور عام مسلمان بھی نیل کنٹھ دیکھنے میدانوں میں شہر کے باہر جایا کرتے تھے۔

بسنت:۔ کہا جاتا ہے کہ بہار راگ اور میلہ بسنت نے بھی حضرت امیر خسرو کی کوشش سے رواج پایا تھا۔ مگر تاریخ کی کتابوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ مسلمانوں میں اس تہوار کی ابتدا کس طرح سے ہوئی۔ اس سلسلہ میں خواجہ حسن نظامی مرحوم نے یہ روایت بیان کی ہے کہ "ساتویں صدی ہجری کے اختتام پر حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیا کے حقیقی بھانجے مولانا تقی الدین نوح تھے جو خواجہ رفیع الدین ہارون کے چھوٹے بھائی تھے، عنفوان شباب میں بیمار ہوئے اور اس دارِ ناپائیدار سے انتقال فرمایا۔ حضرت سلطان المشائخ کو اس لائق ہونہار، سعید اور صالح بھانجے سے بہت الفت تھی۔

زادے کے انتقال سے ایسا صدمہ پہونچا کہ عالم سکوت طاری ہو گیا۔ یہاں تک
کہ آپ نے اس صدمہ کی وجہ سے تبسم نہیں فرمایا۔ حضرت کے یاران جاں نثار
تمام دہلی میں ان صاحبزادے کے انتقال سے عالم ماتم اور کہرام تھا۔ خصوصاً حضرت
و علاوہ اپنے رنج و صدمہ کے حضرت سلطان المشائخ کے اس صدمے اور
وجہ سے کسی وقت قرار نہ تھا۔ وہ ہمہ وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ کوئی
رت کی شگفتگی اور غم غلط ہونے کا پیدا ہو جائے۔ ایک دن اپنے چند دوستوں
جنگل میں سیر کرتے پھر رہے تھے بہار کے خوشنما موسم کا آغاز تھا۔ ہرے بھرے کھیتوں
وں کے زرد پھول بہار دکھا رہے تھے۔ سامنے پہاڑ پر کالکاجی کا مندر تھا۔
ی کا دن تھا۔ مندر پر میلہ لگا ہوا تھا اور مورت پر سرسوں کے پھول کا منہہ
تا۔ اور اکثر لوگ عجیب خود رفتگی سے ترانے الاپ رہے تھے۔ جب امیر خسرو نے
اس خوشنما منظر کا ان کے دل پر بہت اچھا اثر ہوا۔ اسی وقت فارسی اور
چند شعر موزوں کئے جنگل سے سرسوں کے پھول توڑے اور پگڑی کو ذرا
س طرز سے باندھا کہ مستانہ شان معلوم ہوتی تھی۔ اس ہیئت سے ان اشعار
ے حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔
رت سلطان المشائخ اس وقت حسب دستور مرحوم خواہرزادہ کے مزار پر
ے تھے اور قریب ہی ایک برجی میں جلوہ افروز تھے۔ آپ خسرو کی یہ مستانہ ادا دیکھ
ہندی کے اشعار اس رنگ میں سن کر بہت محظوظ ہوئے۔ کامل چھ مہینے کے
مایا۔ اس دن سے آج تک بسنت پنچمی کے دن جب ہندو کالکاجی کے مندر
قوالی اور قرب و جوار کے خاص اور ممتاز صوفی چند قوالوں کو لے کر پھول
تھ میں لئے اشعار پڑھواتے ہوئے اول اس مقام پر جہاں حضرت سلطان

المشائخ اس دن تشریف رکھتے تھے، جاتے ہیں۔ اس کے بعد آپ کے خواہرزادہ مولانا
تقی الدین نوح کے مزار پر ہوتے ہوئے حضرت کے روضۂ اقدس پر آتے ہیں۔ قوال ہندی
کی ٹھمریوں کو پڑھ کر اس شعر

اشک ریز آمد است ابر بہار
ساقیا گل بریز و بادہ بیار

کو بار بار پڑھتے ہیں۔

بسنت کا میلہ ماگھ (جنوری فروری) مہینے کی پانچویں کو منایا جاتا ہے۔ یہ بہت
بڑے جشن کا دن تھا۔ ایک دوسرے پر رنگ ڈالا جاتا اور عبیر چھڑکا جاتا تھا بسنتی
لباس زیب تن کئے جاتے تھے گانے، بجانے، اور رقص و سرود کی محفلیں ہوتی تھیں۔
یہ زمانہ ہندوستان میں آمد بہار کا زمانہ ہوتا ہے۔

مغل دربار میں بڑی دھوم دھام سے یہ تہوار منایا جاتا تھا۔ اورنگ زیب کے
عہد میں دربار سے اس کا رواج اٹھ گیا تھا۔ لیکن اس کے جانشینوں کو اس سے بڑی دلچسپی
تھی شہزادہ عظیم الشان اس دن زرد لباس پہنا کرتا تھا۔ شاہ عالم ثانی اور بہادر شاہ
ظفر کے دور حکومت میں شاہی محل میں جب شان و شوکت سے یہ جشن منایا جاتا تھا۔ اس کی
عکاسی شاہ عالم ثانی نے خود نادرات شاہی کے اشعار میں کی ہے۔

آج لے آئی سب سکھی مل پیو کو رنگ
نئے نئے پھولن سوں کھیلیں بسنت شاہ عالم سنگ

پھولوں کے گڑوے بنا کر، ان کو سر پر رکھ کر بسنت گاتے ہوئے بادشاہ کو
مبارکباد دی جاتی تھی۔ مستورات اور خدام محل کیسری رنگ کے لباس پہنتے تھے
اور ہر طرح کی خوشیاں مناتے تھے۔ رقص و سرود ہوتا تھا۔ بادشاہ کی تعریف میں گیت

تے تھے۔ اور بادشاہ کی درازیِ عمر کی دعائیں مانگی جاتی تھیں۔
دشاہوں کی تقلید میں امیر لوگ بھی اس تہوار سے دل کھول کر حظ اٹھاتے تھے۔
۔ اور ان کی محل کی مستورات بھی اس دن کی رسوم ادا کرنے میں اپنی ہندو بہنوں
بھی پیچھے نہ رہتی تھیں۔ طباطبائی نے لکھا ہے کہ نواب صولت جنگ (ناظم بنگال)
میں بسنت پنچمی کا جشن منایا کرتی تھیں۔ نواب غازی الدین خاں حیدر
بسنتی لباس پہنا کرتا تھا۔ اور محل میں ہر طرف کیسری رنگ ہی کی بھرمار ہوتی
مسلمان بھی اس تہوار میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ سات دن تک یہ جشن منایا جاتا
قلی خاں نے دلی میں جشن بسنت کا چشم دید حال ان الفاظ میں پیش کیا۔

بسنت کے میلے دلی کے تمام میلوں میں اپنی خصوصیات کے لحاظ سے
ہوتے ہیں۔ بسنت کے مہینے کی پہلی تاریخ کو دلی کے تمام باشندے
حضرت سرورِ کائنات کے قدم شریف پر آتے ہیں۔ اور صبح سے شام تک
قیام کرتے ہیں۔ قدم شریف کے آس پاس کے باغات اور میدان
کانات آدمیوں سے بھر جاتے ہیں۔ تمام لوگ زرق برق زعفرانی
کوں میں ملبوس بڑے اہتمام سے آراستہ پیراستہ ہو کر آتے ہیں۔ قدم
یف کے صحن میں اور گرد کے تمام مقامات پر ڈیرے اور خیمے لگا کر رہتے
۔ اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان بھی لاتے ہیں اور اعلیٰ اور قیمتی فرش
بچھاتے ہیں جس کے سبب ہزاروں رنگ برنگ کے فرش میدانوں
اور قدم شریف کے صحن میں نظر آتے ہیں۔ جب ہر اہلِ دلی ٹولیوں کے
بیٹھے ہوئے خوش گپیوں اور تفریحی مشاغل میں مصروف ہوتے ہیں
سویرے اس خیال سے آتے ہیں تاکہ وہ اپنا ڈیرہ قدم مبارک

کے صحن میں ڈال سکیں۔ اس پر بھی بڑی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ کیوں کہ
ہزاروں اشخاص اس تمنا سے آتے ہیں اور اچھا خاصا ہجوم صبح سویرے
ہو جاتا ہے۔ قدم شریف کے اندر اور باہر تمام دن قوالوں کا گانا ہوتا رہتا
ہے اور مجرا بھی ہوتا ہے۔ ہزاروں قوال اور ہزاروں مجرا کرنے والے
جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ زمزمہ سنجی کا ایک ایسا منظر دیکھنے میں آتا ہے
جس سے روح میں وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ صبح کی نماز سے
عصر تک یہی حال رہتا ہے۔ اس کے بعد لوگ فاتحہ و درود پڑھ کر اپنے گھروں کو واپس
چلے جاتے ہیں۔ دوسرے دن اسی طرح دہلی والے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے
مزار پر حاضر ہوتے ہیں اور تمام دن مزار کی زیارت کرنے اور فاتحہ پڑھنے، سیر و تفریح
کرنے میں گزار دیتے ہیں۔ بالکل قدم شریف کی طرح یہاں کا بھی منظر ہوتا ہے۔ لوگ شام کو واپس
ہوتے ہیں۔ اور راستے میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے مزار
پر چراغاں کرتے اور فاتحہ پڑھتے ہیں۔ تیسرے دن سلطان المشائخ کی درگاہ
معلیٰ پر خلقت کا مجمع ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت کی درگاہ شہر کے قریب ہے۔ اس
وجہ سے یہاں بے انتہا لوگ آتے ہیں اور اس سبب سے بھی مجمع زیادہ ہوتا
ہے کہ سلطان جی سے تمام دہلی والوں کو بے حد عقیدت ہے۔ درگاہ شریف
میں مجلس سماع منعقد ہوتی ہے۔ اور نامی گرامی قوال جمع ہوتے ہیں صوفیا
اور اہلِ ذوق حضرات دن بھر وجد اور حال میں رہتے ہیں اور مشائخ اور
فقرا بھی مراقبوں، اور ذکر و اذکار میں مشغول رہتے ہیں۔ عوام قوالیاں سننے
اور تفریحات کرنے میں مشغول رہتے ہیں، اور وہ دن بھی بڑی خوشی اور
مسرت سے پورا ہوتا ہے۔ چوتھے دن حضرت رسول نما کے مزار پر پانچویں

حضرت شاہ ترکمان کے مزار پر چھٹے دن قلعہ معلی میں اور ساتویں دن حضرت عزیزی
مزار پر میلے لگتے اور لوگوں کے مجمع ہوتے تھے۔
بحیثیت مجموعی بسنت کا ایک پورا ہفتہ بہت دلفریب اور دلچسپ ہوتا تھا۔
اس میں سیر و تفریح، دلچسپی اور حسن پرستی کے پورے سامان موجود ہوتے
تھے۔ وہ پورے ایک سال میں بھی حاصل ہونا مشکل ہے۔ وہ بسنت کے
ایک ہی ہفتہ میں حاصل ہو جاتا ہے۔ بسنت کا اتنا شاندار اور رنگین منظر
صرف دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔"

شمالی ہندوستان کے تمام بڑے شہروں اور دیہات کے لوگ اس
دن بزرگوں کے مزار پر جاتے تھے۔ پنجاب کے علاقے میں اس دن پتنگ بازی
ہوتی تھی۔

فائز دہلوی کی بسنت کی منظر کشی قابل مطالعہ ہے۔

آج ہے روز بسنت اے دوستان — سرو قد میں بوستاں کے درمیان
باغ میں ہے عیش و عشرت راستان — گلرخاں یوں ہیں گزرتی ایک چھن
[illegible] تن پہ ہے لباس کیسری — کرتے ہیں صد برگ سوں سب بسنتی
[illegible] ازبس کیسری — تازہ کرتی ہے بہار جعفری
[illegible] سبز رنگ ہے جو لتی گاتی ہنڈول — کے گلال نت گال پر کرتی ششول

[درحقیقت ۱۸۵۷ء تک آگرہ اور دہلی کے مسلمان اور بالعموم شمالی ہند کے مسلمان
میلہ بڑی دھوم دھام اور جوش و خروش سے مناتے تھے۔ حیات جاوید میں لکھا
ہے جو بسنت کے میلے ہوتے تھے۔ سرسید احمد خاں بھی ان میں شرکت کرتے
ان کے نانا خواجہ فرید کے مزار پر جو [illegible] کھجے میں ہے بسنت کا میلہ ہوتا تھا۔]

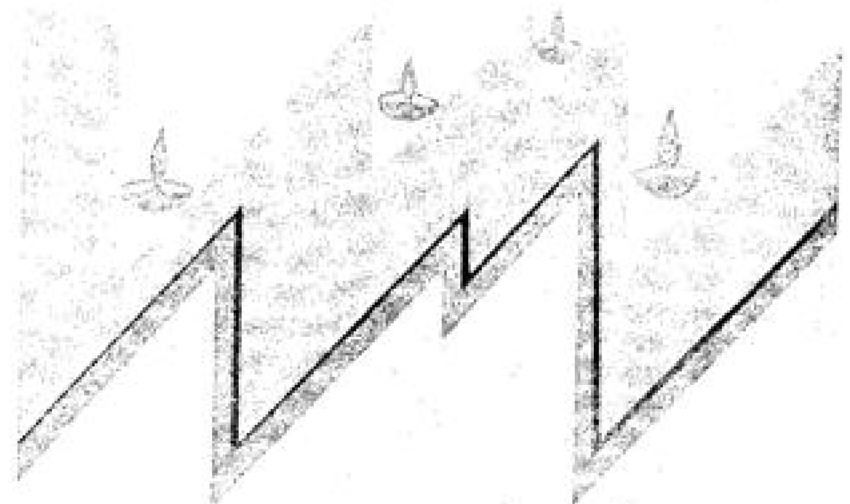
{ اس میں وہ اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ منتظم اور مہتمم ہوتے تھے۔ }
اسی زمانے میں خواجہ محمد اشرف نامی ایک بزرگ دہلی میں رہتے تھے۔ ان کے مزا
گاہ پر بسنت کا میلہ ہوتا تھا۔ شہر کے خواص وہاں مدعو ہوتے تھے۔ ناگی، نامی رقاصہ
لباس زیب تن کر کے وہاں برائے رقص آتی تھی۔ مکان میں زرد فرش ہوتا تھا اور دا
کے سامنے ایک چبوترہ تھا جس میں ایک حوض تھا۔ اس سے زرد پانی کے فوارے چ
تھے۔ باغ میں موسم کی مناسبت کے پھول کھلے ہوتے تھے۔ اور طوائفیں باری بار
کرتی تھیں۔

سعید احمد مارہروی اپنے زمانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ پندرہ دن تک
مختلف مزاروں پر بسنت کے اسلامی میلے نہایت دھوم کے ساتھ ہوتے تھے۔ ان پر
روپے صرف ہوتا تھا۔ آگرہ میں بھی شہر کے تمام پیشہ ور مسلمان سیلیں لے کر جنگلوں میں بسـ
منانے اور حلوہ پوری اڑانے جاتے تھے۔ اور گھروں میں عورتیں بھی بسنتی کپڑے پہن کر گا
چڑھا کر پکوان کرتی تھیں۔ مل مل کر گیت گاتی تھیں۔ شمالی ہندوستان کے اکثر شہروں
قصبوں کے مسلمانوں میں کم و بیش بسنت کی رسمیں جاری تھیں۔

سلونو اس تہوار کو راکھی بندھن بھی کہتے ہیں۔ اکبر بادشاہ نے اسے ایک سرکا
کی حیثیت بخشی تھی۔ اور خود اس نے اپنی کلائی میں راکھی بندھوائی
بادشاہ کی پیروی میں امیروں نے بھی بادشاہ کی کلائی میں راکھی باندھنا شروع ک
اور وہ لوگ خود بھی اپنے ملازمین سے راکھی بندھواتے تھے۔ جہانگیر نے اپنے دو
میں ایک حکم جاری کیا کہ تمام ہندو امراء اس کی کلائی میں راکھی باندھا کریں۔ بعـ
یہ تہوار دربار مغلیہ کے جشنوں میں شمار کیا جانے لگا۔ اورنگ زیب کے جا
کے عہد میں ۱۸۵۷ء تک دربار میں اس تہوار کے رسوم پر عمل ہوتا تھا۔ شاہ عا

ہندو تیوہاروں کی دلچسپ اصلیت

منشی رام پرشاد ماتھر



خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ

ہندو تیوہاروں کی دلچسپ اصلیت

منشی رام پرشاد ماتھر
بی اے (علیگ)

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

ہندو تیوہاروں کی دلچسپ اصلیت

جس میں

سلطۂ حارہ کی حالت۔ ریگستان کی صورت، بکرمی فصلی۔ ہجری اور عیسوی سنہ کی ضرورت دعا کی قوت اور خدا کی عجیب حکمت کا اظہار کر کے ہندوؤں کا زبردست اخلاقی اور تمدنی انتظام بیان کیا گیا ہے اور اسلامی اور عیسوی تہذیب کا ذکر خیر کر کے ہندو مسلم اتحاد کی تحریک کی گئی ہے۔ اور ہندو تیوہاروں کی تاریخی اور جغرافیائی ضرورت ثابت کی گئی ہے۔

مصنفۂ

منشی رام پرشاد صاحب ماتھر۔ بی اے (علیگ)

ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول پنشنر

سابق ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول بستی و ہمیرپور و گونڈہ و ڈائمنڈ جوبلی ہائی اسکول فتح ڈپٹی انسپکٹر مدارس جالون۔ فرخ آباد۔ ایٹہ و متھرا۔ پروفیسر کنینڈ کرسچن کالج و انڈسٹریل الہ آباد

مصنفۂ کتاب الاکسیر کی رام کہانی۔ نئی تعلیم کا آئینہ۔ وہ جانور جو نظر نہیں آتے۔ انجینگ دی بیچر۔ سو برس کی زندگی وغیرہ وغیرہ

ملنے کا پتہ۔ ۱۲۶ سروجنی دیوی لین۔ مقبول گنج کٹرہ لکھنؤ

سنہ ۱۹۴۲ء

بار اول ایک ہزار

مطبوعۂ دی فائن پریس ہیوٹ روڈ لکھنؤ

(قیمت فی جلد ۲ روپیہ)

تعداد صفحات (۳۱۶) (تمام حقوق محفوظ ہیں) (تقطیع $\frac{۲۲ \times ۱۸}{۸}$)

دلانے کے واسطے وید ویاس جی نے جد جشٹر کو یہ برت بتایا۔

چونکہ گنیش جی تمام سنکٹ یا تکالیف دور کرنے والے خیال کئے جاتے ہیں اسلئے اس گنیش چوتھ کو سنکٹ چوتھ یا سکٹ چوتھ کہتے ہیں۔

کرتیج یا کرچوتھ

اس کے دس پندرہ روز بعد عورتیں ایک چھوٹا سا تیوہار مناتی ہیں جس کو کرتیج یا کر چوتھ کہتے ہیں۔

سنکرانت کے گنگا اشنان کے بعد ہریالی تیج یا کروا چوتھ کی طرح یہ عورتوں کا پہلا تیوہار ہے اس روز بھی وہ سہاگ والی دیوی یعنی گوریا پاربتی جی کی پرستش کر کے اپنے خاوندوں کی زندگی اور آسایش کی دعا کرتی ہیں اور خاندان کی بزرگ عورتوں کے واسطے لذیذ میٹھا کھانا بنا کر پیش کرتی ہیں۔ بعض قوموں میں اس روز جیونٹیوں کو چنگا بھی ڈالا جاتا ہے۔

بسنت پنچمی

اب فصل کے بارآور ہونیکا اطمینان ہو چلا اور کچھ عرصہ میں کلیاں کھل کر تمام کھیت کی سبزی زردی میں تبدیل ہونے لگی۔ اس نے کاشتکار کے دل میں قدرتی اُمنگ اور خوشی پیدا ہوتی ہے۔ وہ ماگھ کے آخر ہفتہ میں بسنت پنچمی کے روز زرد پھول کو خوش خوش گھر لاکر بی بی بچوں کو دکھاتا ہے اور پھر سب مل کر بسنت کا تیوہار مناتے ہیں اور زرد پھول اپنے اپنے کانوں میں بطور زیور لگا کر خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اے پرماتما ہماری محنت کا پھل عطا کر اور پھولے ہوئے درختوں میں پھل پیدا کر۔

بسنت پنچمی کو وشنو بھگوان کا پوجن ہوتا ہے اور بعض اقوام آم کا بور

(نوٹ ۱-) ان تیوہاروں پر ماہتاب کا مشاہدہ کرنے کے بعد عورتیں کھانا کھاتی ہیں۔

(نوٹ ۲-) چونکہ گرمی کے موسم میں آسمان گرد و غبار سے صاف نہیں ہوتا اس لئے اس زمانہ میں مشاہدہ کا تیوہار کوئی نہیں ہے۔ برسات کے شباب میں مشاہدہ شروع ہوتا ہے اور جاڑوں کی برسات تک رہتا ہے۔

۲- چاند کی عدم موجودگی میں آسمان کا مشاہدہ .... دیوالی

۳- چاند کے مشاہدہ سے احتراز کی شب .... پتھر چوتھ

۴- آفتاب کا مشاہدہ سال میں ۱۲ بار ہر سنکرانت کو۔ اس روز بعض قوموں میں آفتاب کی شکل زمین پر بنائی جاتی ہے۔

(۲) علوم و فنون کے تیوہار :-

(۱) موسیقی کی ابتدائی تعلیم۔ باون دواد شی

(۲) علم اور کھیتی وغیرہ کے سامان کی نمائش۔ دسہرہ۔

(۳) تصویر کشی (۱) نباتات کا عام نظارہ — برماوش

(۲) پرندوں کا عام نظارہ — سلونو۔

(۳) حیوانات بہ مع حشرات الارض کا نظارہ — اہوئی

(۴) تمام مخلوق کا نظارہ — روپ چودس

(۵) مخلوقات کا مکمل نظارہ۔ دیوالی

(۶) تاریخی تصویر کشی — دیو اٹھان ایکادشی

(۴) قدرتی نظارہ کا مشاہدہ۔ (۱) برسات میں۔ ہریالی تیج

(۲) جاڑوں میں۔ بسنت پنچمی

کلیاں پیدا ہونے کا زمانہ۔

(۳۵) کرتیج یا کرچوتھ۔ سہاگن عورتوں کے کھانا بنانے کے امتحان اور بعض اقوام میں چوتھی کھلانے کا دن۔

(۳۶) بسنت پنچمی۔ فصل میں پھول پیدا ہونے اور کلیاں کھلنے کی خوشی اور قدرتی نظارہ کے لطف کا دن۔

(۳۷) جانکی جنم۔ کاشتکار کے اطمینان اور شانتی کا دن اور فصل کی حفاظت میں کامیابی کا تیوہار۔ بعض لوگ یہ تیوہار ایام راحت یعنی بیساکھ میں مناتے ہیں۔

(۳۸) مہاشیوراتری۔ فصل ربیع میں زمانہ بیم و رجا سے فارغ ہو کر برت یعنی روزہ رکھنے اور گنگا اشنان کرنے کا دن۔ اس روز سے عین راحت اور دولتمندی کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔

(۳۹) پھلیرا دوج۔ ہندو کرسمس کے سرمائی حصہ کی ابتدا۔ جاڑوں کی برسات (مہوٹ) کا زمانہ ختم ہونے پر دس الفیکشن کا پہلا دن فصل ربیع کے بار ور ہونے کی خوشی کا ابتدائی تیوہار۔

(۴۰) ایکادشی۔ فصل ربیع کی کامیابی پر مندروں میں دعا کرنے اور خوشی منانے کا دن۔

(۴۱) دوادشی۔ فصل کی کامیابی پر عزیزوں کے ساتھ گھر میں خوشی منانے کا دن۔

(۴۲) ہولی۔ فصل کی کامیابی کی جانچ اور اطمینان کا خاص دن۔ یوں تو

(۳۰) بسنت پنچمی۔ یہ تہوار گجرات، پنجاب، ممالک متحدہ اور راجپوتانہ وغیرہ میں زیادہ منایا جاتا ہے۔ دکھن میں بہت کم ہوتا ہے وہاں اس روز امیر لوگ گاتے بجاتے ہیں اور مندروں میں اُتسو ہوتا ہے۔ راجپوتانہ میں بسنتی کپڑے پہنے جاتے ہیں بنگالہ میں اسکو سری پنچمی کہتے ہیں اور سرستی کی پوجا کرتے ہیں قلم دوات نہیں چھوتے اگر لکھنے کا ضروری کام آجاتا ہے تو تختی پر کھریا سے لکھتے ہیں شام کو بچے قسم قسم کے کھیل کھیلتے ہیں اور دوسرے دن سرستی کی مورتی کسی تالاب میں ڈال دیتے ہیں۔ اس روز کہیں کہیں کامدیو اور اسکی بی بی رتی کی پوجا ہوتی ہے اضلاع اودھ اور قرب وجوار میں اس روز نوا کی رسم ہوتی ہے یعنی لوگ نیا اناج استعمال کرتے ہیں اوکھلا اور بندکپور (جی آئی پی ریلوے) میں بسنت کا میلہ تین دن تک ہوتا ہے۔ ممالک یورپ وغیرہ میں بھی موسم بہار کا اسی قسم کا ابتدائی تہوار ہوتا ہے۔

(۳۱) سورج سپتمی یا بھاسکر سپتمی۔ یہ تہوار بسنت کے بعد بنگالہ، دراوڑ اور مہاراشٹر میں ہوتا ہے ممالک متحدہ، راجپوتانہ، گجرات اور پنجاب میں نہیں ہوتا دراوڑ میں اجات کے وقت گاتے بجاتے اور روشنی کرتے ہیں۔ اس روز کتاب کو ہاتھ لگانا بھی مہا پاپ سمجھا جاتا ہے۔ بنگالہ میں کاتک پورنماشی اور ہر اتوار کو سورج کی پوجا ہوتی ہے۔ مہاراشٹر اور کرناٹک میں ہلدی تقسیم کی جاتی ہے پنجاب وغیرہ میں سورج کا برت مقررہ دن ڈیڑھ ہزار برس سے برابر ہوتا ہے جس کا پتہ معتبر کتبوں سے لگا ہے۔ کسی زمانہ میں ملتان سے [illegible] تک سورج کے مندر [illegible] تھے جینی سیاح بیان کرتا گئے

نمبر شمار	نام تہوار	مہینہ و تاریخ	[illegible]	[illegible]	کیفیت
۴۹	بسنت پنچمی	ماگھ سدی پنچمی			[illegible]
۵۰	[illegible]	اگہن سدی [illegible]	[illegible]		بنگالہ اور اتر [illegible] میں [illegible] ہوتا ہے
۵۱	[illegible]	اگہن سدی [illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۵۲	[illegible]	اگہن سدی [illegible]		[illegible]	[illegible]
۵۳	[illegible]	[illegible]			[illegible]

نمبر شمار	نام تہوار	مہینہ و تاریخ	[illegible]	[illegible]	کیفیت
		[illegible]			[illegible]
۵۴	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۵۵	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

کتب مصنفہ منشی رام پرشاد ماتھر بی، اے

(۱) **ہندو تیوہاروں کی اصلیت** اس کتاب کو ہز ہائینس نواب صاحب رامپور، سر تیج بہادر سپرو، سر محمد اقبال، سر جادو ناتھ سرکار، سر سی وائی چنتامنی، مولانا محمد علی، ڈاکٹر کس، وغیرہ نے نہایت پسند فرمایا ہے۔ ایک جلد برٹش میوزیم لندن کے واسطے منگوائی گئی ہے۔ .... قیمت ۹/

(۲) ایضاً (ہندی) اس کی تحریر پر مصنف کے واسطے شری بھارت دھرم مہامنڈل بنارس سے ودیا رتن کا خطاب تجویز کیا گیا ہے اور محکمہ تعلیم نے اسکو پرائمری مدارس سے انٹرمیڈیٹ کالج تک ہر قسم کے مدارس کے اساتذہ اور طلبا نیز کتب خانجات وغیرہ کے واسطے منظور فرمایا ہے قیمت ۸/

(۳) **ابتدائی تعلیم کی رام کہانی** ہندوستان۔ عدن اور افغانستان میں نہایت مقبول ہوئی ہے اور ہزاروں جلد حکام نے خرید فرمائی ہیں .... قیمت ۸/

(۴) ایضاً (ہندی) .... قیمت ۸/

(۵) **وہ جاندار جو نظر نہیں آتے** نہایت عمدہ اور خوبصورت۔ ہندوستان کے کئی صوبوں میں سرکاری طور پر منظور کی گئی ہے۔ .... قیمت ۴/

(۶) **سو برس کی زندگی** اس کتاب میں سو برس تک زندہ رہنے کے آسان طریقے بتائے گئے ہیں۔ صاحب ڈائرکٹر بہادر پبلک ہیلتھ ممالک متحدہ نے سرکلر نمبر ١٤٠/٣٢٢ مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۳۶ء جاری فرما کر ہر افسر کو اسکی خریداری کا حکم دیا ہے اور محکمہ تعلیم نے بھی اسکو استعمال کے واسطے منظور فرمایا ہے۔ .... قیمت ۸/

(۷) **سچا دیش بھگت** اسکا ڈھنگ بہ نہایت دلچسپ اور مفید کتاب جسکی بابت ... چیف جسٹس ... صاحب بہادر نے جو اسوقت چیف ... تھے بہت تعریف کی ہے۔ .... قیمت ۸/

(۸) **ہندو تیوہاروں کی رام کہانی** اس میں ہر تیوہار کے تاریخی حالات۔ تمام ہندوستان کی رسمیات و طریقہ اور تیرتھوں کے حالات اور عجائبات کا تذکرہ نہایت دلچسپ اور مفصل تحریر ہے۔ .... قیمت ۸/

(۹) **ہندو تیوہاروں کی دلچسپ اصلیت** نہایت مختصر ... قیمت ۸/

ملنے کا پتہ: منشی رام پرشاد ماتھر بی اے نمبر ۱۶ اسرجنج ... لکھنؤ

❋ هندن جا مکيه ڏڻ ❋



پيسا 4-00

مدر شيوا منڊلي کوٽڙي ضلع دادو

سنڌ شيوا منڊلي ڪوٽڙي جي ڪتابي سلسلي
جو ڪتاب نمبر 123

هندن جا مکيه ڏڻ

سينگاريندڙ:

وينجهراج سيڊل



ڊسمبر 1985

پيسا	4.00
ساليانو چندو	35-00
ٽن سالن لاءِ	100.00

ڇپيندڙ:

سنڌ شيوا منڊلي

ڪوٽڙي، ضلع دادو سنڌ فون 50439

"بسنت پنچمي"

بسنت پنچمي جو ڏينهن مانگهه مهيني جي سهائي پکش جي پنجين ڏينهن ملندو آهي. انهيءَ ڏينهن بسنت يا بهاريءَ جي موسم شروع ٿئي ٿي. اهو ڏينهن اهڙو ٿيهاڙو ۾ نه ايندو آهي، جهڙو هولي، جو ڇهن هفتن کان پوءِ اچي ٿو. هولي سچ پچ، آهي بسنت يا بهار جي ڀوءِ جواني. انهيءَ بسنت پنچميءَ کان وٺي بسنت رت جي شروعات ٿئي ٿي. انهي ڏينهن سرسوتي وديا ۽ ڪلا وديا جي ديويءَ جي پوڄا ڪرڻ ۾ ايندي آهي. سرسوتي ديوي جي مورتي پوشاڪ ۽ آس پاس جون شيون سڀ اڇيون رکيون آهن. ڪٿي، پيو رنگ انهيءَ ڏينهن ڪي نه وڻندڙ آهي. مڃو روپ سنگ جهڙو ملندو آهي. ميءِ ڪونجي ڪنيا آهي. هڪ هٿ ۾ ڪتاب ۽ ٻئي هٿ ۾ ستار هوندي اٿس. سندس پوڄا ۾ بس بنگال ڪم ايندا آهن. پوڄا مهل ڪتاب، مس ڪپڙي، قلم، ڪيهه، تيل ۽ هڪ ٻه ساز ڪم ۾ ايندا آهن. ڪپڙي ۾ مس نه وجهبي آهي ڇاڪاڻ ته مس ڪاري آهي ۽ قلم ڪاني جو هوندو آهي ۽ نه رڪ يا لوهه جو. پوڄا مهل ٻاجهري جا سنگ، سگ، مانهن ڇانهه، ٻير ۽ انب جون ڏاريون ڪم اينديون آهن. بنگال ۾ اهو رواج آهي جو انهي ڏينهن ٻار جي وديا شروع ڪرڻ سياڻپ سمجهبي آهي. ڇوڪر جڏهن پنجن سالن

PANJAB
UNDER THE
LATER MUGHALS

DR. B.S. NIJJAR

جيو ٿيندو آهي، تڏهن ٻهرياڻين مرحوقي جي پوٺا
حڪمراني پوءِ ملڪ تي ڪڪول ۾ وهارو آهي. پنجاب ۾
هيءَ ڏينهن خاص طرح نهون الاٿي سان ملهايو ويندو
آهي، ۽ لفظ الاٿو ۾ مسلمان به خاص ٻهرو وٺندا آهن.
اڄ ڏينهن تائين ... هي ڏينهن وسنت پنجاب ۾ لفظ
الاٿي سان ملهايو ويندو آهي ۽ هن ڏينهن تي بي شمار
لغز چڙهن ٿا هي، هڪ قسم جو ٻهاريءَ جي خوشيءَ
جو اظهار آهي.

The 'Basant-dā-Melā' was held in January at the tomb of Haqiqat Rāi, near the village of Kot Khwaja Said.[1] The fair was held at the time of the blooming of the mustard seed, and its frequenters wore yellow turbans or put mustard seed in their turbans. This fair commemorated for the martyrdom of Haqiqat Rai, the only son of Bāgh Mal Puri a Khatri of Sialkot. While still a boy, his Muslim teacher uttered a few disgraceful words about Hindu gods. Young Haqiqat Rāi probably born in 1719 A. D., could not tolerate it and he retaliated by making deprecatory a few remarks against Prophet Muhammad and Bibi Fatima. Thus a mock trial was held at Lahore, and the order of death was pronounced against him. He was then chained to a pillar and caned till he fell as a martyr in 1734 A. D. The whole of the non-Muslim population of the Panjab wept over the martyrdom of Haqiqat Rāi.[2]

The 'Charāghān dā Melā' was held at the *Shālāmār* Gardens on the last Saturday and Sunday in March. Originally it was a religious pilgrimage of the tomb of Mādho Lāl Hussain at Bāghbānpurā but as the fair became more popular it was shifted to the gardens. All classes of males and females attended the fair, but not the better classes of women. A home fair was held during the three days preceding the great fair day.

The 'Rām Thamman' fair was held in the village of Thamman near Kasūr, in April on the Hindu festival of Baisākhi. The railway had shorn most of its former importance as people preferred to visit the more important Baisākhi festival at Amritsar.

Id-ul-Zuhā was held on the tenth of Arabic month of Zil Hij in commemoration of Abraham's sacrifice of his son Ismail. A cow, a sheep, a goat or a camel was sacrificed by all good Muslims who ate some, and gave away the rest in alms. *Id-ul-Fitr* was the festival of breaking the fast that had been observed throughout the month of Rāmzān. Prayers were offered at the Shāhi and other mosques in the morning; and in the evening a fair was held at the tomb of Shāh Abdul Ma'āli outside the Mochi Gate.

1. Three miles from Lahore.
2. For detailed account please read, *Char Bagh-i-Panjab*, Munshi Ganesh Das Wadehra, PP. 234-246.
   Transformation of Sikhism, G.C. Narang, PP. 57-58

PANJAB UNDER THE LATER MUGHALS (1707-1759)

By

BAKHSHISH SINGH NIJJAR

M. A., Ph.D. (History) M.A., M.O.L. (Persian) M.A. (Panjabi)

Hons. Urdu, Persian & Panjabi.

Director

Panjab State Archives, Patiala.

Foreword by

DR. S. N. PRASAD

M.A., Ph. D.

Director

National Archives of India

BOOK TRADERS

P.O. BOX 1854 LAHORE

فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

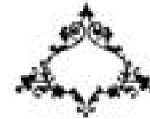
(اِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ (الحدیث))

احسن الفتاویٰ

بحذف مکررات وتوضیحات فرائض ومسائل غیر مہمہ

تالیف

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم



واحد تقسیم کنندگان

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل، پاکستان چوک، کراچی

احسن الفتاویٰ جلد ۸ ۱۶۷ متفرقات الحظر والاباحة

پتنگ اڑانا جائز نہیں:

سوال: کیا پتنگ اڑانا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پتنگ اڑانا جائز نہیں، اس میں متعدد شرعی مفاسد ہیں:

① کبوتر کے پیچھے بھاگنے والے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان فرمایا ہے

عن ابی هریرة رضی الله تعالی عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم رأی رجلا یتبع حمامة فقال شیطان یتبع شیطانة (ابوداود ص۳۳۶ ج۲)

کبوتر بازی میں انہماک کی وجہ سے امور دینیہ و دنیویہ سے غفلت کا مفسدہ پتنگ بازی میں بھی پایا جاتا ہے، لہٰذا یہ وعید اس کو بھی شامل ہے۔

② مسجد کی جماعت بلکہ خود نماز سے ہی غافل ہوجانا، شراب اور جوئے کے حرام ہونے کی اللہ تعالیٰ نے یہی بیان فرمائی ہے، ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ۔

③ پتنگ اکثر مکانوں کی چھت پر کھڑے ہوکر اڑائے جاتے ہیں جس سے آس پاس والے گھروں کی بے پردگی ہوتی ہے۔

④ بعض اوقات پتنگ اڑاتے اڑاتے پیچھے کو ہٹتے ہیں اور نیچے گر جاتے ہیں، چنانچہ اخبارات میں اس قسم کے واقعات شائع ہوتے رہتے ہیں، اس میں اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا ہے جس پر آڑ نہ ہو۔

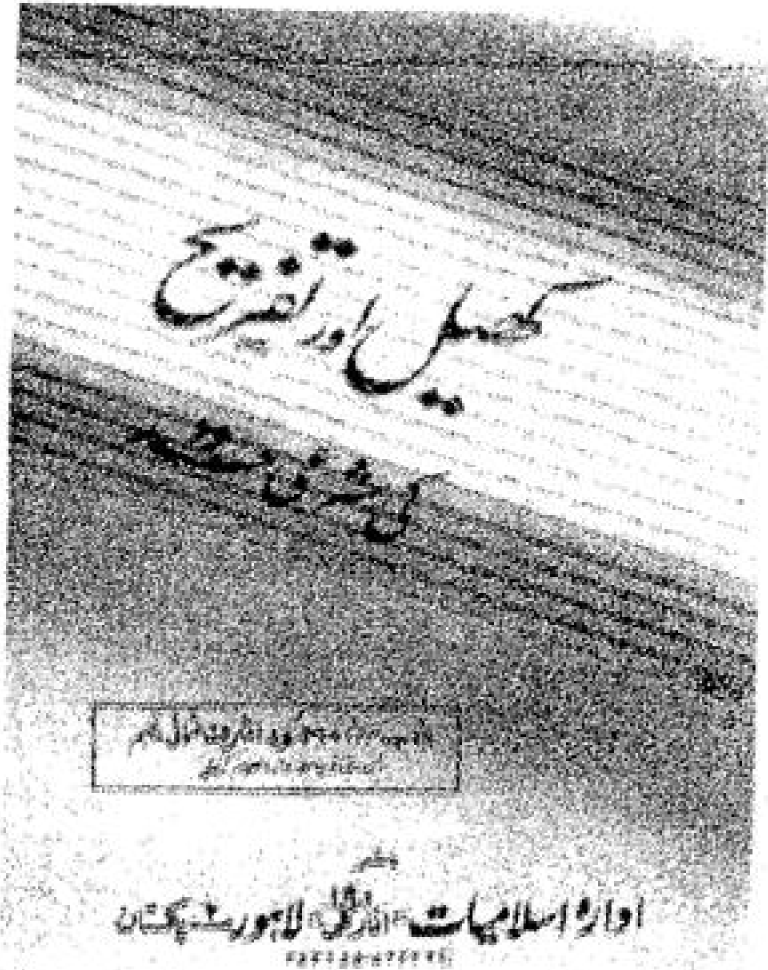
⑤ بے جا مال صرف کرنا تبذیر اور حرام ہے، قرآن کریم میں ایسے لوگوں کو شیطان کے بھائی قرار دیا گیا ہے۔

پتنگ بازی کا باہم مقابلہ معصیت میں تسابق و تفاخر ہے جو حرام ہے اور اس میں قمار کا خطرہ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

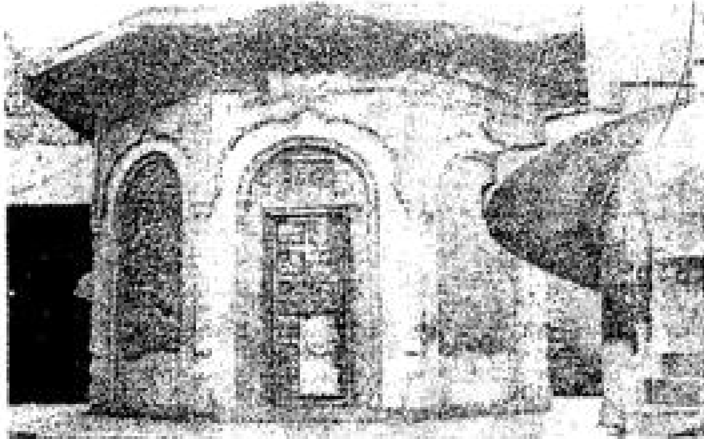
۱۱ محرم [illegible]

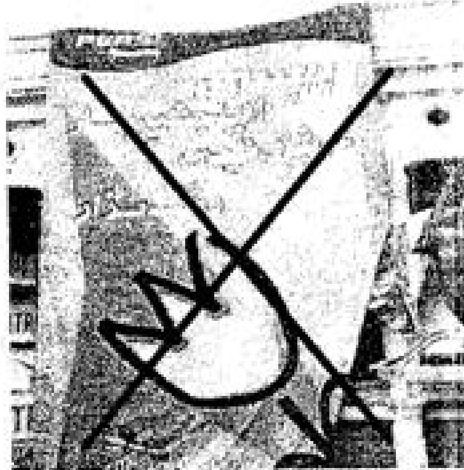
مفتی اعظم حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کے فتویٰ کا عکس


تصاویر


ادارہ اسلامیات

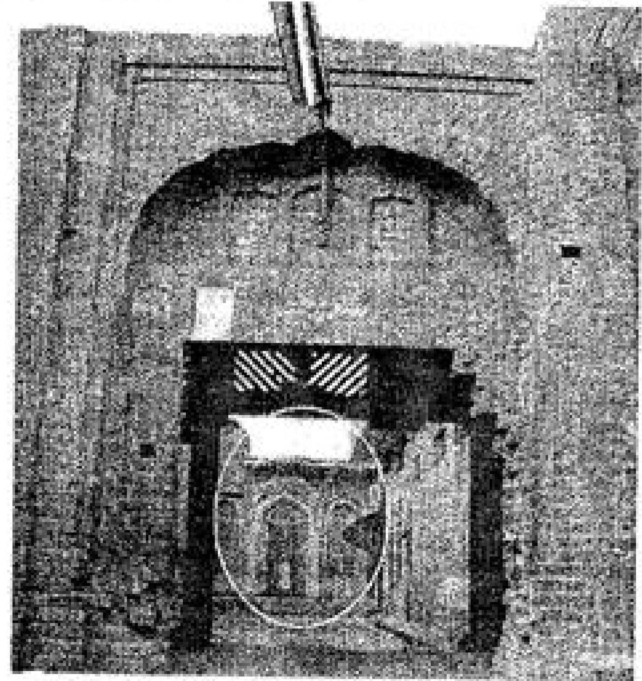
فہرست تصاویر



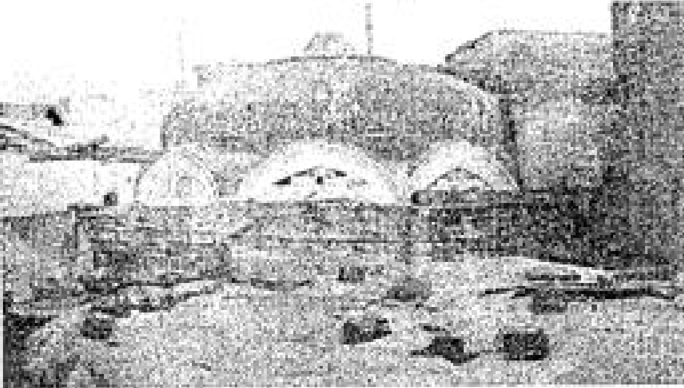


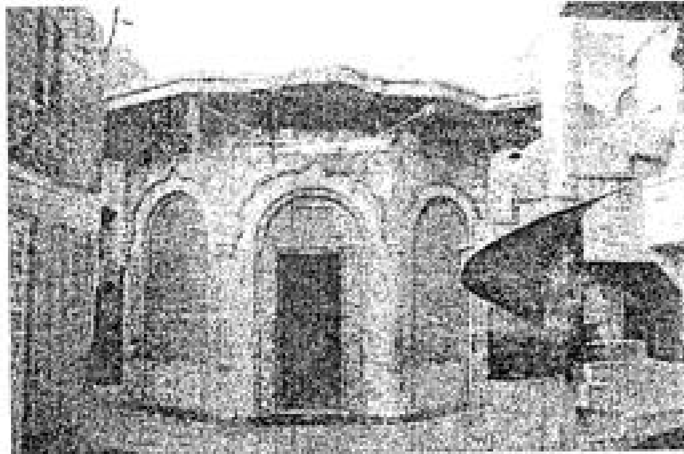
زندہ دلوں کے شہر لاہور کا ایک خوبصورت منظر۔

زندہ دلی اچھا وصف ہے بشرطیکہ زندہ دلی کے اظہار میں شرعی حدود کی پابندی کی جائے ورنہ یہ گناہوں پر جرأت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔
اللہ کرے کہ ہمارے لاہوری بھائی مذہبی روایات کا احترام کریں تاکہ دنیا کی طرح آخرت میں بھی خوش و خرم رہیں۔

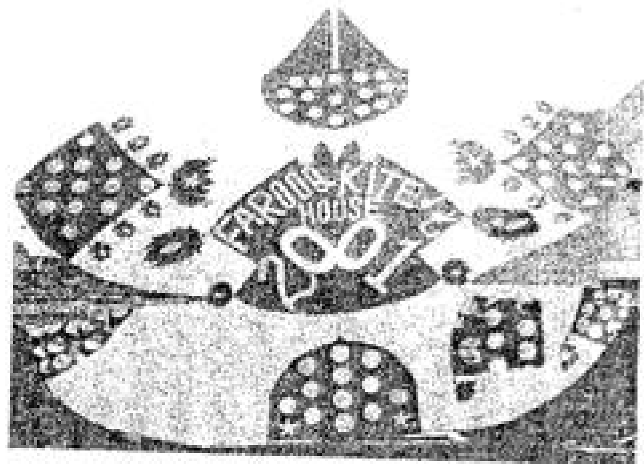


حقیقت رائے کی سمادھی کی تصویر ایک اور زاویے سے۔ ڈاکٹر سر گوکل چند نارنگ نے اپنی انگریزی تصنیف "ٹرانسفارمیشن آف سکھ ازم" میں لکھا ہے: "حقیقت رائے کی کریا کرم (نعش جلانے) کے بعد اس کی راکھ لاہور کے مشرق میں چار میل دور دبا دی گئی۔ جہاں اس کی یادگار ابھی تک قائم ہے۔ ہر سال یہاں بسنت تہوار کا میلہ لگتا ہے۔" ایک ہندو کی اس واضح شہادت کے بعد کیا کسی مسلمان کیلئے گنجائش باقی ہے کہ وہ اس تہوار کو ایک موسمی جشن قرار دے کر اپنے لئے روا رکھ سکیں۔

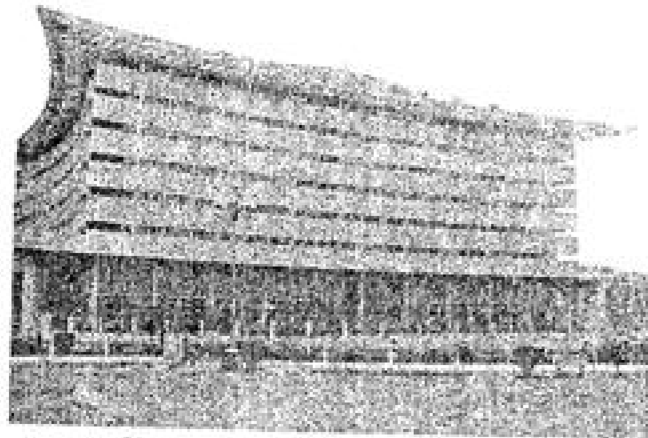




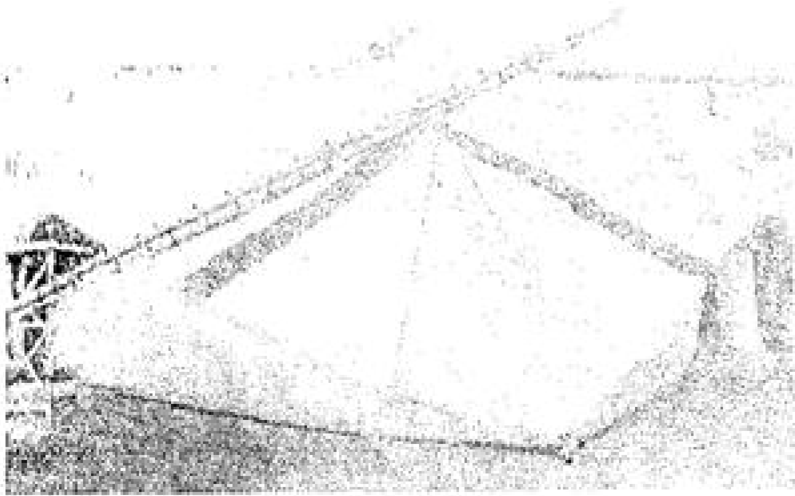
[illegible]



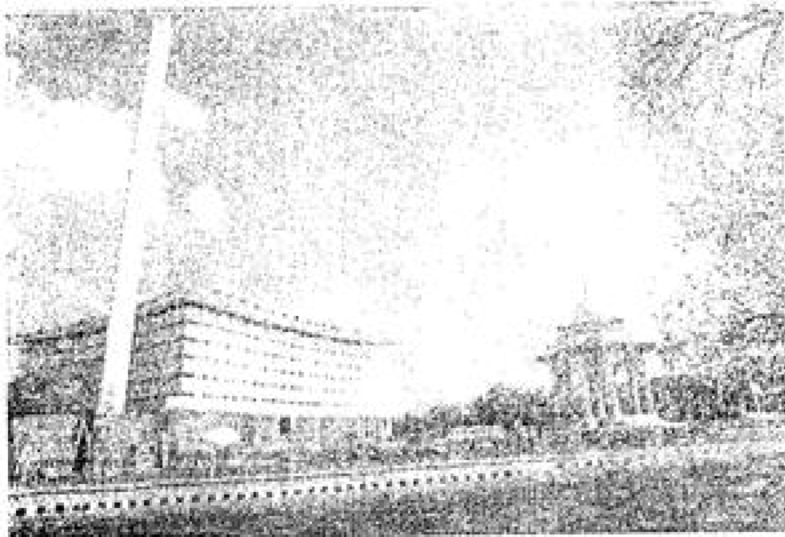
ہندوانہ بسنت تہوار سے مسلمانوں کے لگاؤ کا ایک ہیجان کا ثبوت۔ ایک پتنگ ساز نے لاہوریوں کے شوق پتنگ بازی کو [illegible] کیلئے ریکارڈ پتنگ تیار کی ہے۔ لاہوریوں نے اس فضول کھیل میں کروڑوں روپے پھونک دیے۔ جس روز بسنت تہوار منایا جا رہا تھا اسی روز لاہور ہی میں سرکاری سطح پر آئی ایم ایف کے ڈائریکٹر سے قرضوں کی بھیک مانگنے کیلئے مذاکرات ہو رہے تھے۔ قرضوں میں بال بال جکڑی قوم کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ اس کے فرزند کس طرح اپنی عیاشیوں پر حقیقی سرمایہ ہواؤں کی نذر کر دیتے ہیں۔



واپڈا ہاؤس لاہور کی عمارت، جس کی بالائی منازل بسنت کا تہوار منانے والوں کے ہجوم سے بھر جاتی ہے۔ "PKK" کے نعروں اور [illegible] کی "تھاپ" پر سرکاری سرپرستی میں فضاؤں کو پتنگوں کے ذریعے "مسخر" کیا جاتا ہے۔ [illegible] ایجادات کے [illegible] منصوبے بنانے ہوتے ہیں اور ہم [illegible] مشغول ہیں اور [illegible] سرمایہ [illegible]۔
اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائے۔



[illegible]



لاہور میں اس طرح کی اداروں کی کرسیاں بسنت کے دنوں میں [illegible] نوجوانوں اور [illegible] سے بھری ہوتی ہیں۔ اس مرتبہ بھی [illegible] پتنگ [illegible] ہوائی فائرنگ، بجلی [illegible] اور دیگر واقعات میں تقریباً ۲۰۰ افراد زخمی ہو کر ہسپتال جا پہنچے۔ بے راہ روی کے اس سیلاب [illegible] اگر حکومت نے [illegible] کا فیصلہ کر لیا تو کوئی [illegible] ہمیں [illegible] دے سکے گی۔

لاشہ بسنت کا

کفار مسلمین سے مشغولِ جنگ ہیں — اور مسلمین خیر سے محوِ پتنگ ہیں

واں ایٹمی پلانٹ میزائلوں کی دھن — یاں بربط و رباب ہیں مضراب و چنگ ہیں

امت کا غم تو خاک ہو خود اپنا غم نہیں — خوش مستیوں میں مست ہیں محوِ ترنگ ہیں

دو قومی نظریے کا جنازہ نکل گیا — ہم فکر ہم خیال سبھی سنگ سنگ ہیں

ہے پیروی ہنود کی لاشہ بسنت کا — ارواح مردہ، مردہ جسد رنگ رنگ ہیں

حاصل ہے سرپرستی شاہانِ وقت بھی — اس کاروبارِ ننگ میں سرکار سنگ ہیں

یہ جشنِ نو بہار ہے یا راہِ خارزار — عقلیں بھی اب تو قائلِ بصیرت کی دنگ ہیں

ڈھایا ہے بے جا وسعتِ نظری نے قصر دیں — جب ہی تو آسماں وزمیں ہم پہ تنگ ہیں

طوفانی بارشیں ہیں بگولے ہیں موت ہے — عبرت کدے ہوں لاکھ دلوں پر جو زنگ ہیں

کرتے ہیں رنگ رلیوں میں خوفِ خدا کی بات
حاصلؔ خود آپ اپنے رنگ میں گویا کہ بھنگ ہیں

حاصل تمنائی

بسنت کیا ہے؟

اس کتاب میں آپ پڑھ سکیں گے:

☆ .... بسنت کے لغوی اور اصطلاحی معنی مکمل پس منظر کے ساتھ

☆ .... بسنت کی تاریخی حیثیت اور اس پر گزرنے والے مختلف ادوار

☆ .... مسلمانوں میں بسنت کی ابتدا کیسے ہوئی؟

☆ .... لاہور میں بسنت نے کیسے زور پکڑا اور کس نے اسے یہاں رواج دیا؟

☆ .... کیا بسنت صرف موسمِ بہار کا استقبال ہے یا اس کے پیچھے مخصوص ہندوانہ ذہنیت کارفرما ہے؟

☆ .... لاہور کا بسنت محض تفریح ہے یا گستاخِ رسول کا جشن منانے کا ایک انداز؟

☆ .... تفریح کی جائز و ناجائز حدود کیا ہیں؟ اور شریعت اس بارے میں کیا کہتی ہے؟

- تاریخی ماخذ کی مدد سے ٹھوس علمی تحقیق جو اس موضوع کے خفیہ پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہے۔
- علم و تحقیق اور منصفانہ رائے کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے والوں کے لیے مستند دستاویزی ثبوت۔
- تاریخ اور ہندو مصنفین کی کتب کے صفحات کے عکس اور متعلقہ تاریخی مقامات کی تصاویر سے آراستہ

- ایک کتاب جس کی ضرورت تھی
- ایک دستاویز جو انصاف پسندوں کی تسکین و تشفی کا ذریعہ ہے

خود پڑھیے اور دوسروں تک پہنچائیے تبلیغی مقاصد کے لئے اس کو عام کیجیے